آڈٹ بیورو آف سرکولیشن سے باقاعدہ تصدیق اشاعت ABC CERTIFIED انسانی حقوق پر پاکستان کا پہلا جریدہ

ماہنامہ ہیومن رائٹس کراچی پوسٹ

موسمیاتی تبدیلی نے پاکستان پر تباہ کن اثرات چھوڑے ہیں۔
وفاقی وزیر برائے تخفیف غربت اور سماجی تحفظ **شازیہ مری**
کاربن اخراج کے ذمہ دار امیر اور ترقی یافتہ ممالک ہیں

ڈی جی ایم ڈی اے سہیل بابو سب سے بڑا اپٹواری ہے
فاروق ستار

اسکول مافیا بمقابلہ ڈی جی پرائیویٹ اسکولز

کے ایم سی سے زیادہ طاقتور اور کوئی ادارہ نہیں ہے
مرتضیٰ وہاب، ایڈمنسٹریٹر کراچی
کچھ لوگوں نے میونسپل ٹیکس کے سلسلے میں
اختلافات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے

انسانی حقوق پر پہلی نیوز ایجنسی، حکومت پاکستان سے منظور شدہ
HRNW
اردو اور انگریزی میں خبروں کی ترسیل
www.hrnww.com hrnww.com/urdu
HUMAN RIGHTS NEWS WORLDWIDE HRNW PAKISTAN'S 1ST HUMAN RIGHTS NEWS AGENCY
Regd.SS-No.1260
WWW.HRPOSTPK.COM

سیلاب میں حکومت کی ساکھ ہوئی غرقاب!

اس جدید ترقی یافتہ دور میں بھی مون سون کے موسم میں اکثر پاکستان میں سیلاب کیوں آجاتا ہے؟ کیا محکمہ موسمیات اور نیشنل ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی کی جانب سے وارننگ اور ریڈ الرٹ جاری نہیں کیا جاتا؟ کیا ان محکموں کی طرف سے بار بار اور واضح طور پر خبردار نہیں کیا جاتا کہ اس بار تباہ کن بارشیں ہوں گی اور سیلاب اور بھاری نقصان کا خطرہ ہے، مگر محسوس یوں ہوتا ہے کہ ایسی خطرناک وارننگ ملنے کے باوجود انتظامیہ اور متعلقہ محکمے کے ذمہ داروں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی اور سارے کے سارے خواب خرگوش کے مزے لیتے رہتے ہیں۔ ہر سال کی طرح اس برس بھی مون سون کی بارشوں میں وہی ہوا، جو برسوں سے ہوتا آرہا ہے کہ اندرون سندھ، پنجاب اور بلوچستان میں گاؤں کے گاؤں صفحہ ہستی سے مٹ گئے، لوگوں کے گھر تباہ ہو گئے، ان کے پیارے، خصوصاً بچے سیلاب اور برساتی پانی میں بہہ گئے، ان کے مال مویشی پانی میں بہہ گئے یا مر گئے اور گھر کا سامان یا تو بہہ گیا، ضائع ہو گیا، برباد ہو گیا۔ لوگوں کے کھانے پینے اور زندگی بچانے کے لالے پڑ گئے۔ بارشیں تو ہوئیں، سیلاب بھی آیا اور اس کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر تباہی بھی ہوئی، مگر اس کے بعد حکومت، خصوصاً سندھ حکومت کا جو رویہ اور کردار سامنے آیا، اس کے لئے افسوس ناک اور شرم ناک کے الفاظ ہی استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ سوشل میڈیا پر پیپلز پارٹی کے عہدے داروں اور رہنماؤں کی ایسی ویڈیوز تواتر سے چلتی رہیں، جس میں ان کی بے حسی اور سیلاب و بارش متاثرین کے ساتھ ان کا بے رحمانہ اور سنگ دلانہ رویہ سامنے آتا رہا، اور تو اور، سیلاب متاثرین کیلئے بھیجا جانے والا امدادی سامان کہیں پیپلز پارٹی کے عہدے دار کے گودام سے برآمد ہوا تو کہیں سامان میں خورد برد کی اطلاعات سامنے آتی رہیں۔ ایسی تمام باتیں سفاکیت اور غیر انسانی رویئے کی غمازی کرتی ہیں۔

آخر پاکستان میں ہر سال بارشوں کے موسم میں سیلاب اور اس کے نتیجے میں وسیع پیمانے پر تباہی کیوں آتی ہے؟ پاکستان میں سیلاب آنے کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے، جتنی اس وطن عزیز کی عمر۔ اگر پاکستان کی 72 سالہ تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ سیلاب آنے کی وجوہ میں ہمارے ملک میں ضرورت کے مطابق ڈیمز کا نا ہونا اور ناقص منصوبہ بندی ہے، جبکہ دوسری وجہ بھارت کا پاکستان کے دریاؤں میں ضرورت سے زیادہ پانی چھوڑ دینا ہے، جس کے لئے نا صرف اقوام متحدہ کو تحریری طور پر لکھ کے دینا چاہئے، بلکہ اس قوم کے غیرت مند عوام، حکومت اور فوج کی اعلیٰ قیادت کو بھارت کے ساتھ لحاظ کرنے کی بجائے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات چیت کرنی چاہئے۔ کیونکہ ہمارے ملک میں سیلاب سے زیادہ تباہی اسی وجہ سے آتی ہے۔ بارشوں کے موسم میں برسوں سے یہی بات سننے میں آرہی ہے کہ بھارت نے پانی چھوڑ دیا اور اس کی وجہ سے دریائے راوی، چناب، ستلج اور سندھ کے اردگرد کے بہت سے علاقے ڈوب گئے۔ ان علاقوں میں انسان بستے تھے، ان کے جانور تھے، ان کی گاڑیاں، موٹر سائیکلیں تھیں۔ انکی دکانیں تھیں، ان کا روزگار تھا، یہ سب بہتے پانی کی نذر ہو گیا اور حکومت صرف تماشا دیکھتی رہی یا پھر وزراء ⌊ فوٹو سیشن بنانے میں مصروف دکھائی دیئے کہ سیلاب متاثرین کو ایک دو پیکٹ دے دیں اور تصویر بن جائے۔ حکمرانوں کی لمبی لمبی پروٹوکول گاڑیاں دیکھ کر تو لگتا ہی نہیں کہ یہ پاکستان ہے، جس کا ایک طبقہ اتنا امیر اشرافیہ میں سے ہے اور دوسرا وہ طبقہ ہے جس کے پاس کھانے کو روٹی نہیں ہے، پہننے کو کپڑا نہیں ہے، لیکن ہماری سیاسی پارٹیاں برسر اقتدار آنے کے لئے، ان سے ووٹ لینے کے لئے وعدے تو کرتی ہیں لیکن وزیر اعظم یا وزراء ⌊ بن جانے کے بعد وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔

ستمبر 2010 میں جب پاکستان میں سیلاب آیا تو اقوام متحدہ کی سفیر مشہور اداکارہ انجلینا جولی پاکستان کے دورے پر آئیں تاکہ پاکستان کی امداد کا تعین کیا جائے اور جو بھی ممکن ہو، امداد دی جا سکے۔ لیکن پاکستان کا دورہ مکمل کرنے کے بعد اس سفیر نے جو رپورٹ اقوام متحدہ میں پیش کی، اسکی وجہ سے پاکستان کی بہت جگ ہنسائی ہوئی۔ انجلینا نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ جب میں سیلاب زدگان کی حالت دیکھنے گئی تو مجھے یہ دیکھ کر شدید دکھ ہوا، جب میرے سامنے حکومت کے بااثر افراد سیلاب سے متاثرین کو دھکے دیکر کر مجھ سے ملنے نہیں دے رہے تھے۔ انجلینا رپورٹ میں لکھتی ہیں کہ مجھے اس وقت اور بھی تکلیف ہوئی، جب پاکستان کے وزیر اعظم نے یہ خواہش ظاہر کی اور مجھے مجبور کیا کہ میری فیملی آپ سے ملنا چاہتی ہے۔ میرے انکار کے باوجود وزیر اعظم کی فیملی مجھ سے ملنے کیلئے ملتان سے ایک خصوصی طیارے میں اسلام آباد آئی اور میرے لئے قیمتی تحائف بھی لے کر آئی۔ سفیر نے لکھا کہ وزیر اعظم کی فیملی نے میری کئی اقسام کے کھانوں سید عوت کی ڈائننگ ٹیبل پر انواع واقسام کے کھانے دیکھ کر مجھے شدید رنج ہوا کہ پاکستان میں لوگ سیلاب کی وجہ سے اور کھانا نا پہنچنے کی وجہ سے فاقوں سے مر رہے تھے اور یہ کھانا کئی سولوگوں کیلئے کافی تھا، لیکن سیلاب زدہ افراد صرف آٹے کے ایک تھیلے اور پانی کی ایک چھوٹی بوتل کیلئے ایک دوسرے کو دھکے دیکر ہماری ٹیم سے وہ چیزیں حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔ انجلینا لکھتی ہیں، مجھے حیرت ہوئی کہ ایک طرف بھوک، غربت، لاشیں، زخمی لوگ اور بدحالی تھی تو دوسری جانب وزیر اعظم ہاؤس اور کئی سرکاری عمارتوں کی شان وشوکت، ٹھاٹھ باٹھ اور حکمرانوں کی عیاشیاں تھیں، جو یورپ والوں کو حیران کرنے کیلئے کافی تھیں۔

انجلینا جولی نے اس وقت اقوام متحدہ کو مشورہ دیا کہ پاکستان کو مجبور کیا جائے کہ امداد مانگنے سے پہلے شاہی پروٹوکول، عیاشیاں اور فضول اخراجات کو ختم کریں۔

اس بات کو آج 12 برس ہونے کو آئے ہیں، مگر افسوس! کہ ہم آج بھی اسی روش پر قائم ہیں، آج بھی وہی صورت حال ہے۔ جب ووٹر بھوکے مر رہے ہیں اور حکمرانوں کی عیاشیاں جاری وساری ہیں لیکن ان کے پاس عوام کو دینے کیلئے ایک دھیلا بھی نہیں ہے۔ آج سے 12 سال پہلے کی اس رپورٹ اور انجلینا کے خیالات کا جائزہ لیں تو جو اس وقت انجلینا کے خیالات تھے، آج ہر پاکستانی کے یہی خیالات ہیں، لیکن یہ خیالات تک ہی محدود ہیں، عملی طور پر کچھ نہیں۔ ہم نے کالا باغ ڈیم نہیں بنایا کیونکہ سیاسی جماعتوں اور رہنماؤں میں اختلاف تھا۔ نا یہ کام سیاسی حکومت کر سکی اور نا ہی ڈکٹیٹر کر سکے اور نا ہی بھارت آبی جارحیت سے باز آرہا ہے اور ہم ہر سال اس معاملے میں تخیّر حضرات کی طرف دیکھتے ہیں یا امداد کے لئے غیر ملکیوں کی جانب، کہ شائد اتنا سامان اور پیسے مل جائیں کہ بچ جانے والے سیلاب زدگان کی مدد کر سکیں اور ان کے لئے نئی زندگیوں میں خوشحالی لا سکیں کیونکہ جو پانی کے بہاؤ میں بہہ گیا، اسکا کچھ پتہ نہیں کہاں گیا ہوگا؟ اور اس کی فیملی کس حال میں ہوگی؟ اللہ تعالیٰ اس قوم پر رحم فرمائے اور حکمرانوں اور سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کو توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ عوام کے دکھ درد کو اپنا دکھ سمجھیں اور بھارت کی آبی جارحیت کے خلاف سخت سے سخت قدم اٹھائیں۔

دگرگوں معیشت اور جہازی سائز کابینہ؟

شہباز حکومت نے اقتدار سنبھالتے ہی واویلا مچانا شروع کر دیا تھا کہ ملکی حالات صحیح نہیں ہیں اور ہمیں آئی ایم ایف کے پاس جانے اور اس سے قرض حاصل کرنے کے لئے سخت فیصلے کرنے پڑیں گے، چنانچہ "سخت فیصلوں" کے تحت فوری طور پر پیٹرول وڈیزل اور بجلی کے نرخوں میں اضافہ کر دیا گیا۔ پاکستان کی نام نہاد جمہوری حکومتوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھی جائے تو ہر دور کے حکمران وہ تمام فیصلے، جن سے براہ راست عام آدمی متاثر ہوتا ہے، نہایت آسانی اور سنگ دلی سے کرتے نظر آتے ہیں۔ ایک بھی حکمران نے حکومتی اخراجات یا حکومت اور حکومتی عہدے داروں، وزیروں، مشیروں کی عیاشیاں ختم نہیں کیں، نہ ان میں کمی کی۔ اگر حکمرانوں کو آتا ہے تو بس ایک ہی کام کہ کس طرح عام آدمی کو ٹیکس اور مہنگائی کی چکی میں پیسا جا سکتا ہے، کس طرح ایک غریب آدمی کے منہ سے روٹی کا نوالہ بھی چھینا جا سکتا ہے؟ جمہوری حکومت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لئے۔۔۔۔ مگر قیام پاکستان کے بعد ماسوائے لیاقت علی خان کے، لمحہ موجود تک کون سی جمہوری، عوامی حکومت آئی ہے، جس نے عوام کا بھلا کیا ہو؟ ایک عام آدمی کی زندگی کو آسان بنایا ہو؟ بڑے بڑے دعوے تو ہر آنے والی حکومت کرتی ہے، مگر عملاً کوئی کچھ نہیں کرتا۔ اب جیسے 13 جماعتوں کے گٹھ جوڑ سے وجود میں آنے والی موجودہ شہباز حکومت کو دیکھا جائے تو وزیر اعظم شہباز شریف کے تمام تر دعوے جھوٹے ثابت ہوئے اور تمام تر لن ترانیوں کے باوجود موجودہ حکومت کی کابینہ کے ارکان کی تعداد 72 تک جا پہنچی ہے، مگر اتنی بڑی اور جہازی سائز کی کابینہ سے ملکی خزانے اور عوام پر پڑنے والے ناقابل برداشت بوجھ کا کسی ایک بھی حکومتی رکن یا عہدے دار کو ذرہ برابر بھی احساس نہیں ہے۔

شہباز شریف کی طویل ترین کابینہ کے حوالے سے ایک نجی ٹیلی ویژن چینل کے پروگرام میں گفتگو کرتے ہوئے وفاقی وزیر خزانہ ڈاکٹر مفتاح اسماعیل نے کہا کہ میں 70 لوگوں کی کابینہ کا دفاع نہیں کروں گا، لیکن میں آپ کو یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں تنخواہ نہیں لیتا ہوں۔ انہوں نے بتایا کہ اکتوبر سے ٹیرف کم ہو جائے گا، بجلی سستی ہو جائے گی۔ وفاقی وزیر خزانہ ڈاکٹر مفتاح اسماعیل کا کہنا تھا کہ یہ بات درست ہے کہ ہمیں یہ توقع تھی کہ جب آئی ایم ایف کا بورڈ منظور کرے گا تو تھوڑا سا مزید اعتماد آئے گا۔ تھوڑا سا ریزرو بڑھا ہے، کیوں کہ آئی ایم ایف کی ادائیگی آئی ہے۔ مگر ساتھ ساتھ سیلاب آ گئے۔ سندھ کی تمام کاٹن پانی میں ضائع ہو گئی، سندھ کا دوتہائی چاول خراب ہو گیا، تمام کھجور کی فصل خراب ہو گئی۔ کچھ ہماری درآمدات کی طلب بڑھ گئی اور کچھ ہماری برآمدات میں کمی آ گئی۔ کیوں کہ چاول وغیرہ اتنے ایکسپورٹ نہیں ہو سکیں گے، جس کی وجہ سے مارکیٹ میں ایک چھوٹی سی خبر آ گئی کہ خدانخواستہ شروع میں جو مسئلہ تھا کہ کہیں پاکستان واپس ڈیفالٹ کی طرف تو نہیں چلا گیا؟ جب ہم مارکیٹ کو یقین دہانی کرا دیں گے کہ کوئی ڈیفالٹ کا چانس نہیں ہے تو پھر ہم سمجھتے ہیں کہ ڈالر واپس آ جائے گا۔ پہلے تین مہینوں جولائی، اگست، ستمبر میں ہماری برآمدات گزشتہ سال سے زیادہ ہوں گی اور ہماری درآمدات گزشتہ سال سے کم ہوں گی۔ مجھے یقین ہے کہ پاکستان ڈیفالٹ نہیں ہو گا کیوں کہ پاکستان نے جو سخت فیصلے کرنے تھے پیٹرول، ڈیزل، بجلی مہنگی کرنی تھی، وہ کر لیں۔ آئی ایم ایف کا پروگرام آ گیا جو کہ ڈیفالٹ کے خطرے سے بچنے کیلئے بہترین یقین دہانی ہے۔ اس وقت دنیا آپ کے ساتھ کھڑی ہے ایشین ڈویلپمنٹ بینک سے اکتوبر میں 1.5 ارب ڈالر ملیں گے۔ چینی بینک 500 ملین دے گا جب کہ ورلڈ بینک سے 500 ملین متوقع ہیں. اس کے علاوہ ورلڈ بینک سے سیلاب زدگان کے لئے 1.5 ارب ڈالر آئیں گے۔

مذکورہ بالا بیان پاکستان جیسے تیسری دنیا کے، قرضوں پر چلنے والے ملک کے وزیر خزانہ کا ہے، جو 72 رکنی جہازی کابینہ پر تو لب کشائی نہیں کر رہا، مگر آئی ایم ایف کی شرائط اور اس کے نتیجے میں پیٹرول و ڈیزل اور بجلی کے نرخ بڑھانے کا پوری بے شرمی سے اور برملا اعتراف کر رہا ہے۔ حالانکہ پاکستان میں مہنگائی کم ہونے کا کوئی امکان نہیں، اس کا اظہار

ایشیائی ترقیاتی بینک نے بھی کیا ہے اور کہا ہے کہ پاکستان میں شرح نمو 3.5 فیصد، مہنگائی 18 فیصد بڑھ سکتی ہے۔ دوسری جانب اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی ایک رپورٹ کے مطابق وفاقی حکومت کے قرضے 50 ہزار 503 ارب روپے پر ملکی تاریخ کی بلند ترین سطح سے تجاوز کر گئیہیں۔ اسٹیٹ بینک کے مطابق اتحادی حکومت کے پہلے 4 ماہ کے دوران مرکزی حکومت کے قرضوں میں 7 ہزار 490 ارب روپے کا اضافہ ہوا ہے۔ دستاویزات کے مطابق جولائی 2022 تک وفاقی حکومت کا مجموعی قرضہ بڑھ کر ریکارڈ 50 ہزار 530 ارب روپے سے تجاوز کر گیا تھا۔ جولائی 2022 تک وفاقی حکومت کا مقامی قرض 31 ہزار 12 ارب اور غیر ملکی قرض 19 ہزار 375 ارب روپے پر پہنچ گیا تھا۔ گزشتہ مالی سال کے ابتدائی 9 مہینوں جولائی تا مارچ کے دوران پی ٹی آئی حکومت کے دور میں مرکزی حکومت کے قرضے 4 ہزار 307 ارب روپے، جبکہ نئی حکومت کے 4 ماہ میں 7 ہزار 490 ارب روپے کا اضافہ ہوا۔

دودھ بھی پہنچ سے باہر ہونے کا خدشہ

کراچی میں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ نہ کوئی حکومت ہے، نہ انتظامیہ۔ ہر طرف غنڈی گردی، بدمعاشی اور من مانی کا دور دورہ ہے۔ ضروریات زندگی کی اشیاء ┘ کی قیمتوں میں آئے روز من مانا اضافہ ایک معمول بن چکا ہے۔ ان میں ہر گھر میں روزانہ کی بنیاد پر استعمال ہونے والا آئٹم دودھ سرفہرست ہے، جس کی قیمت میں گزشتہ چند ماہ میں پیٹرول کی قیمتوں کو جواز بنا کر بار بار اضافہ کیا گیا اور بالآخر اسے ڈیری فارمز والوں کے دعوے کے مطابق 200 روپے تک پہنچا دیا گیا۔ اس وقت پورے کراچی میں ایک لیٹر دودھ 200 روپے میں دھڑلے سے فروخت کیا جا رہا ہے، مگر معصوم اور بھولے بھالے کمشنر کراچی کی جانب سے ایک لیٹر دودھ کا اب بھی سرکاری نرخ 120 روپے مقرر ہے۔ یہ مذاق نہیں تو اور کیا ہے کہ کمشنر کراچی کی جانب سے ایک لیٹر دودھ کا مذکورہ نرخ تقریباً ایک سال سے مقرر ہے، مگر لطیفہ یہ ہے کہ کمشنر صاحب کے مقرر کردہ نرخ پر دودھ کبھی فروخت ہی نہیں کیا گیا اور اگر اس بات سے کمشنر کراچی لاعلم ہیں تو یہ انتہائی افسوس ناک اور شرمناک بات ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ وطن عزیز میں یا تو سازش کے تحت یا بیوروکریسی کی ملی بھگت سے ایک غلط کلچر پروان چڑھایا گیا، اسی افسر شاہی کلچر کے تحت کمشنر یا ڈپٹی کمشنر لیول کے آفسر کو ائر کنڈیشنڈ دفتر، بہت سارا اسٹاف اور 50، 60 لاکھ روپے کی قیمتی گاڑی دے دی جاتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ "ہٹو بچو" کی فلم بھی چلنے لگتی ہے، چنانچہ کمشنر اپنے آپ کو ضلع کے گورنر سے کم نہیں سمجھتا، لہٰذا اپنی اصل ذمہ داریاں ادا کرنے کی طرف اس کا دھیان کم اور افسرانہ کروفر اور شان وشوکت کے اظہار کی طرف زیادہ رہتا ہے، پھر اس کا عملہ جو جھوٹی سچی رپورٹیں دیتا ہے، ان پر اس کا انحصار بڑھ جاتا ہے، نتیجتاً یہی کھلواڑ ہوتا ہے، جو اس وقت دودھ کے نرخوں سے ڈیری فارم والے گزشتہ کافی عرصے سے کر رہے ہیں۔ اکثر سننے، دیکھنے میں آتا ہے کہ کمشنر صاحب جگہ جگہ چھاپے مار رہے ہیں اور گراں فروشوں پر جرمانے عائد کر رہے ہیں، مگر ان نمائشی اقدامات سے کچھ نہیں ہوتا اور دوسرے ہی دن روزمرہ اشیاء ┘ من مانے نرخوں پر ہی فروخت کی جا رہی ہوتی ہیں اور کمشنر صاحب کے مقرر کردہ نرخ صرف دعوے کی حد تک رہ جاتے ہیں۔ اس کی وجہ قانون کی موثر عمل داری نہ ہونا ہے۔ کیونکہ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ لوگوں نے قانون اور سرکاری احکامات کو ایک مذاق سمجھ رکھا ہے اور اس رویئے کے ذمہ دار خود قانون کے رکھوالے ہیں، جو کسی بھی سرکاری قانون پر عملدرآمد کروانے کے بجائے اپنا معاوضہ وصول کر کے گویا قانون توڑنے کی اجازت دیتے ہیں۔ یوں قانون تو موجود رہتا ہے، مگر اس پر عملدرآمد نہیں کیا جاتا۔ بعینہ ؟ یہی مسئلہ دودھ کے نرخوں کا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ گزشتہ کئی ماہ سے ڈیری فارم والے جو دراصل کسی مافیا سے کم نہیں، من مانے نرخوں پر دودھ فروخت کر رہے ہیں اور کمشنر کراچی کو علم ہی نہیں؟ وہ

یقیناً بہ خوبی واقف ہوں گے، مگر یہ سب کچھ غلط پالیسیوں کی بنیاد پر ہے۔ منسٹری آف فوڈ سیکیورٹی اینڈ ریسرچ اور منسٹری آف کامرس کو اجناس کے بائی پروڈکٹس پر ہمیشہ کے لیپا بندی اور دیگر اجناس کی ایکسپورٹ پر 6 ماہ کے لئے پابندی عائد کرنی ہوگی، ورنہ ڈیری فارم والوں کی کھلی وارننگ موجود ہے کہ دودھ کے نرخوں میں مزید اضافہ کیا جائے گا اور اگر ایسا ہوا تو یہ غریب عوام کے ساتھ ایک اور ظلم ہوگا، کیونکہ اس وقت دودھ کی قیمت 200 روپے لیٹر ہو جانے پر ہر طرف سے دہائی دی جا رہی ہے، اس میں کمی کرانا کمشنر کراچی کی زمہ داری ہے اور ان کی اولین ترجیح بھی یہی ہونی چاہیئے۔ کیونکہ دودھ روزمرہ استعمال کی چیز ہے، جو ہر گھر کی ضرورت ہے۔ اس کے نرخ میں حالیہ اضافے نے صارفین کی چیخیں نکال دی ہیں، جس کا فوری نوٹس لینا ناگزیر ہے۔

دودھ کی قیمتوں میں گزشتہ 6 ماہ میں 50 روپیہ فی لیٹر کا اضافہ ریٹیلرز کی جانب سے کیا گیا اور اب مزید 20 روپے بڑھا کر دودھ کا نرخ 200 روپے تک پہنچا دیا گیا ہے۔ اس حوالے سے ڈیری فارم والوں کا یہ دعویٰ کیکہ یہ اضافہ ڈیری فارمرز کی منشاء ┘ کے بغیر کیا گیا ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ دودھ کی کم پیداوار کو بڑھانے اور ملک بھر کے ڈیری کسانوں کو کنکریٹ کے جنگل کراچی میں لانے اور پیداوار بڑھانے کے لالچ اور ترغیب دینے کے لئے یہ اضافہ ریٹیلرز نے کیا۔ یقینی طور پر جب ریٹیلرز اور ہول سیلرز ڈیری فارمرز کو خود قیمتوں میں اضافہ کر کے دیتے رہیں گے تو فارمرز کے لئے یہ خوش آئند ضرور تھا، تاہم مطلوبہ قیمت نہیں تھی۔ چنانچہ اب ڈیری فارمرز کی جانب سے مسلسل میٹنگز اور اسٹیک ہولڈرز سے رابطے جاری ہیں اور حکومت وقت یا ماضی کی کسی حکومت نے عوام کو کم قیمت دودھ اور گوشت فراہم کرنے کے لئے اقدامات نہیں کئے، اس لئے جلد قیمتوں میں مزید اضافے کے خدشات موجود ہیں۔

کے الیکٹرک اور کراچی کا کچرا!

سندھ حکومت ہو اور کوئی انہونی نہ کرے، ایسا قطعی ناممکن ہے۔ سندھ سرکار کی حکومت کی تشکیل سے لے کر لمحہ موجود تک عوام دشمن اقدامات کی ایک لمبی فہرست ہے۔ حالیہ کے الیکٹرک کے بجلی بل میں بلدیاتی ٹیکس کا اضافہ کراچی کے عوام کے ساتھ نہ صرف بدترین دشمنی، بلکہ ظلم ہے۔ سندھ سرکار نے آخر کراچی کے عوام کو سمجھ کیا رکھا ہے؟ کوئی بھی فیصلہ یا اقدام، جس سے اہل کراچی کو چاہے کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو، وہ چشم زدن میں نافذ کر دیا جاتا ہے اور اس کی کوئی پروا نہیں کی جاتی کہ اس پر اہلیان شہر کو کوئی اعتراض یا تکلیف ہے یا نہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ اگر سندھ سرکار کی اب تک کی حکومت کے تمام دورانئے کا غیر جانب دارانہ جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ حکومت کا شہر کراچی اور اہلیان کراچی کے ساتھ (باقی صفحہ 24 پر)

ڈی جی ایم ڈی اے سہیل بابو سب سے بڑا اپٹواری ہے، فاروق ستار

ملک کو اس وقت قومی ایجنڈے کی ضرورت ہے، سیاسی لیڈرشپ کو محاذ آرائی کے بجائے سنجیدہ سیاسی بصیرت سے کام لینا ہوگا

سیلاب نے ہر طرف تباہی مچادی ہے، متاثرین کا کوئی پرسان حال نہیں، نیشنل ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی کی کارکردگی سوالیہ نشان ہے

ایم کیو ایم کے تمام دھڑوں کو یکجا ہونا پڑے گا۔ ڈاکٹر محمد فاروق ستار سربراہ بحالی کمیٹی ایم کیو ایم پاکستان

ملک کی پہلے ہی معاشی پوزیشن کمزور ہے، دوسری طرف سیاسی جماعتوں کی لیڈرشپ کے درمیان جاری کشمکش ملک میں انتشار کی کیفیت پیدا کررہی ہے

انٹرویو: ملک منور حسین فوٹو گرافر: دلشاد غوری

ڈاکٹر محمد فاروق ستار سیاست کے میدان میں ایک معتبر نام ہے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ جو کسی تعارف کے محتاج نہیں، 9 اپریل 1963 کو کراچی میں پیدا ہوئے، جناح سندھ میڈیکل یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی، زمانہ طالب علمی سے حق پرستی کے قافلے سے سیاسی سفر شروع کیا۔ آپ متحدہ قومی موومنٹ کے ڈپٹی کنوینر رہے۔ 1987 کے بلدیاتی انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد میئر کراچی کا تاج اپنے سر پہ سجایا اور شہر قائد میں تعمیر وترقی کے بھرپور کام سرانجام دیئے۔

بعدازاں آپ صوبائی وزیر بلدیات مختلف ادوار میں رکن صوبائی و قومی اسمبلی اور وفاقی وزیر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے چکے ہیں آپ نے ہمیشہ سیاست کو امانت سمجھ کر اس کی حفاظت کی سیاست برائے خدمت کے تقدس کو ہمیشہ مدنظر رکھا۔ 22 اگست 2016 کو پاکستان مخالف نعرے کی بنیاد پر بانی ایم کیو ایم سے اختلاف کرتے ہوئے علیحدگی اختیار کرلی۔ ایم کیو ایم بحالی کمیٹی کے پلیٹ فارم سے سیاسی سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ عالمی اور علاقائی امور پر آپ کی گہری نظر ہے۔ آپ کی صلاحیتوں کا اعتراف عالمی سطح کے سیاستدان بھی کرتے ہیں۔ گزشتہ دنوں ماہنامہ ہیومن رائٹس پوسٹ کے قارئین کے لئے موجودہ ملکی سیاسی معاشی حکومتی کارکردگی سمیت سیلاب متاثرین کی بحالی پر تفصیلی نشست کا اہتمام کیا گیا جو پیش خدمت ہے۔

سوال: عمران خان کے افواج پاکستان کے سربراہان کی تقرری سے متعلق متنازع بیان پر آپ کا نقطہ نظر کیا ہے اور بقول عمران خان اگر انہیں اقتدار سے ہٹایا گیا تو وہ سڑکوں پر نکل کر زیادہ خطرناک ثابت ہوگا۔ پی ڈی ایم کی لیڈرشپ کے ساتھ ساتھ اب تو وہ اسٹیبلشمنٹ کے خلاف بھی کھل سامنے آچکے ہیں اس بارے آپ کی کیا رائے ہے؟

ڈاکٹر فاروق ستار: عمران خان کا ایک بیانیہ اگر قوم نے قبول کرلیا انہیں پھر پزیرائی ملی تو اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ملک کے آئین اور ملک کے تمام اداروں سے بالاتر کوئی سپریم اتھارٹی ہیں۔ افواج پاکستان کے اعلیٰ عہدوں پر تقرری کے لئے ایک واضح آئینی طریقہ کار موجود ہے اور اس میں بشمول وزیراعظم کسی سیاسی جماعت کے سربراہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس عمل میں اپنی خواہش اور اپنی مرضی کی تقرری حاصل کرنے کے لیے آئین کے ساتھ کھلواڑ کرے۔ افواج پاکستان میں تقرری کے آئینی عمل کی دھجیاں اڑائے۔ فوج کے احترام اور وقار ادارے کی اساس اور قومی و دفاعی اہمیت پر سمجھوتا کرے۔ اس طرح کے بیان سے افواج پاکستان کے شہداء کی فیملیز اور ملک کے کونوں کونوں میں موجود ہمارے فوجی جوانوں کی نہ صرف دل آزاری ہوئی ہے بلکہ انہیں گہرا دکھ بھی پہنچا ہے۔ اوورسیز پاکستانیوں کی ایک بہت بڑی اکثریت سوشل میڈیا پر پی ٹی آئی اور عمران خان کو جو سپورٹ کررہی ہے وہ بھی مایوس ہوگئے تھے جب عمران خان کی چار سال کی کارکردگی دیکھ کر کہ کچھ ڈیلیور نہیں کیا۔ بے روزگاری مہنگائی آسمان سے بھی اوپر چلی گئی، لوگوں کی زندگی اجیرن اور بد سے بدتر ہوگئی اور لوگوں کے سامنے یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ ان کے پاس کوئی ماہرین کی ٹیم ہی نہیں اور ان کی صلاحیت کوئی وژن نہیں تھا، ناتجربے کار نااہل اور نالائق ٹیم تھی جس نے عمران خان کو گڑھوا دیا تھا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کو کیا منظور تھا کہ پیپلز پارٹی اور پی ڈی ایم والوں نے حماقت کی ووٹ آف نو کانفیڈنس دے کر اور اس کو جو ٹائم ملا عمران خان نے اور اسپیکر نے اپنا منجن بنانا شروع کردیا، مداخلت ہے، سازش ہے، امریکا ملوث ہے، لوگوں کے جذبات کو انہوں نے بھڑکایا تو یہ ساری باتیں وہ ہے کہ جس سے اس نے پولیٹیکل پریشر بنادیا اور وہی پریشر انٹرنیشنل میڈیا کو بھی محسوس ہوا اور انٹرنیشنل میڈیا اور سوشل میڈیا تو ان کا اپنا ہے ہی، یہاں پر بھی وہاں پر بھی کچھ اور جنل اور گینک ہے اور کچھ خریدا ہوا اب تو کمپنی آگئی ہیں اور ان کا میرا نیریٹیو پوری دنیا میں چلا گیا ہے جبکہ اس کو کاؤنٹر کرنے کے لئے الٹی ہوگئیں سب تدبیریں

،زرداری کا پیسہ کام آیا، دیکھا اس بیمار دل نے آخر کام تمام کیا، زرداری صاحب بھی کچھ' پیسہ نہیں لگا رہے، مارکیٹ میں اپنا نیریٹو دے نہیں رہے، پی ڈی ایم والے اور ان کے اپنے نیریٹو کے پیچھے بھی وہ کمپنی والے ہو جو ان کو کاؤنٹر کریں تو وہ تو لوگ آن کر نہیں رہے، وہ تو پیسہ خرچ کر نہیں رہے اور ان کا تو پیسہ بھی خرچ ہو رہا ہے اور ان کی تو اپنی بھی سپورٹ کوئی انٹرنیشنل کونسپریسی ہے کہ عمران خان کے پیچھے پوری دنیا کھڑی ہوگی یا امریکا یہ میں نہیں کہہ سکتا ،میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے لیکن بڑے سیاستدان یہ بات کریں گے ہم پہلے کہتے تھے کہ یہ بظاہر امریکا کے خلاف ہے لیکن امریکا اس کے پیچھے اور ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ سارا کھیل ایک دوسرا چانس عمران خان کو دینے کے لئے ہے اور دیکھیں پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عمران طالبان کی حکومت کو افغانستان میں مضبوط کرنے کے لیے بھی یہی ہوا ہو اور آپ دیکھیں گے کہ اب وہاں پر جو کارروائیاں شروع ہوئی روس کی ایمبیسی پر افغانستان کابل میں حملہ ہوگیا تو اس میں بھی امریکا کا ہاتھ ہوسکتا ہے یہ میں صرف اندازہ کر رہا ہوں ،سیاسی کارکن اور ایک تجزیہ نگار کے طور پر اور جو تجربہ ہے اس کی روشنی میں۔

سوال: پورا ملک سیلاب کی زد میں آگیا ہے ہر طرف تباہی ہے سندھ کی صورتحال بہت زیادہ خراب ہے کس طرح ہم اس مصیبت سے نکل سکیں گے؟

ڈاکٹر محمد فاروق ستار: میں سمجھتا ہوں کے اگر قیامت صغریٰ کا ٹریلر دیکھنا ہو تو یہ جو موسموں کی تبدیلی کی بیس سالوں سے پیشن گوئی کی جارہی تھی تو کسی نے کان نہیں دھرے ایک زلزلہ آگیا تھا، پہلے 80 ہزار سے زیادہ ایک لاکھ کے قریب جانوں کا نقصان ہوا تھا اور ہزاروں مکانات گر گئے تھے اور ان کی دوبارہ آبادکاری کتنا بڑا چیلنج تھا، اس بار جانوں کا نقصان اتنا نہ ہوا ہو مگر جو تباہی و بربادی فصلوں کی مویشیوں کی معیشت کی اور کھیتوں کھلیانوں کی اور پھر اور جو گھروں کی ہوئی ہے ،سیلاب سے اور پھر ارب فلیڈنگ اور بارشیں بھی غیر معمولی ہو رہی ہیں تو ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی نے کیا کیا، جن کے پاس 25 ہزار خیمے نہ ہو وہ کیا اتھارٹی ہے ،ساری حکومتوں کی ذمہ داری تھی کم از کم اس اتھارٹی میں خیمے لاکر رکھ دیتے' مختلف صوبوں کے اندر پانچ ہزار، ایک جگہ سات ہزار، ایک جگہ پچیس ہزار خیمے پڑے ہوئے ہوتے تاکہ ہم ان کی موبلائزیشن آج کر سکتے ۔پنجاب سندھ اور بلوچستان میں یہ اگر خیمے ہوتے تو بڑی آسانی سے جنوبی پنجاب کے پی کے اور اندرون سندھ اور بلوچستان چاروں صوبوں میں بھی تو سیلاب آیا ہے تو سب جگہ اگر یہ خیمہ ہوتے تو بٹ جاتے اور جن لوگوں کو سانپ نے کاٹا تب مر گئے اور جن لوگوں کے پاس گھر نہیں ہے وہ کھلی فضا میں ٹھنڈ سے ہیضہ وغیرہ ہوگیا تو بچے مر گئے اور آگے اور مریں گے اور یہ سب چیزیں اس کے لئے تیاریاں ہونی چاہیے تھی۔ ریڈ کراس کی طرح ادارے ہونے چاہیے تھے جن کے پاس اس طرح کی اجناس آئیڈنٹی فائی ہوتی کہ کہاں بنتے ہیں کہ اسے فوری طور پر ملے اور لوکل مارکیٹ میں کمی نہ ہو اور تیار کرنے کی فیکٹری ایسی ہو کہ جن کو کہا جائے کہ پروڈکشن ڈبل کردو تو ڈبل کردی ٹرپل کر دو تو ٹرپل کردیں تو ان فیکٹریوں میں بھی تو حکومت نے مشینیں ڈیوٹی فری کر کے دلوائی ہوئی ہوں جو رکھی ہوئی ہوں اس میں تیل ڈلتا ہو، وہ چلتی ہوں لیکن پروڈکشن اس کی جب شروع ہو جب خیمے بنانے ہوں۔ یہ ہے نیشنل ڈیزاسٹر مینجمنٹ آپ کے پاس ٹراما سینٹر ہونے چاہئیں، ایسے اسپتال ہوں کہ مرکزی ٹراما سینٹر کراچی میں ہے تو اس کی شاخیں حیدرآباد میں بھی ہونی چاہئیں، جو آپس میں جڑے ہوئے ہوں، جیسے انڈس اسپتال کی شاخیں بن رہی ہیں ،ایس آئی یو ٹی کی شاخیں بن رہی ہیں ،اس طرح سے ایک ٹراما سینٹر سول میں بنا ہوا ہو اور اس کی شاخیں ہو، وہاں سپلائی ہو ،اس کو چیزیں مخیّر حضرات اتنا دیتے ہیں ،سیلابوں میں انہی کو ایک ڈیپارٹمنٹ دے دینا ،ٹراما سینٹر کا یار تم اس وقت مت دینا، تو اسی کو چلالو پرائیویٹ سیکٹر خود چلالے گا ،فری میں چلے گا، اپنا خرچہ کرے گا ،سرکاری پیسہ بھی اسے دیں تاکہ چلائیں وہ اور جو سرکاری پیسہ آپ استعمال کرتے ہو اس میں آدھا کمیشن ہوتا ہے اور اس چیز کا کوالٹی میں کمپرومائز ہو جاتا ہے اور اس کے بدلے میں جو چیز آتی ہے وہ ایک سال چلتی ہے پھر بند ہو جاتی ہے لیکن اس کی خریداری بھی پھر پرائیویٹ سیکٹر خود کرے مخیّر حضرات کریں ،سوشل ویلفیئر والے، این جی او والے ،فلاحی کام کرنے والوں کا ایک کمیشن بننا چاہیے کہ جو اس طرح کی مشینری خریدے ،اکیوپمنٹ آلات خریدے، ضروری اشیاء، کلینک کی اسپتالوں کی ٹراما سینٹر کی خریدیں تاکہ وہ کوالٹی والی ہوں اور دیر تک چلے۔ حکومت کو اپنے افسران، اپنے ملازمین اپنے وزیروں کے ذریعے سے یہ کام کروانے کے بجائے آپ مخیّر حضرات سے کہیں کہ آپ ہمیں اتنا پیسہ دیتے ہیں کہ آپ کو کوئی لالچ نہیں ہے آپ ہی ایسے انجینئر لگا دیں جو یہ چیزیں ہمیں خرید کر دے دیں۔عوام کا پیسہ ہے اس میں خیانت نہ ہو اور وہ صحیح جگہ پر خرچ ہو جائے ، جو لوگوں کو دس سال کے بجائے بارہ ہزار ارب جو صوبے کو ملا وڈیروں کو کراچی 4 ہزار ارب ٹیکس دیتا ہے وفاق کو اور اسے چالیس ارب کی خیرات ملتی ہے جبکہ صوبے کو اس سے ہر سال ایک ہزار ارب ملتا ہے، صوبے کو اور بارہ سالوں میں بارہ ہزار ارب ملا یعنی ہم چار ہزار ارب دیں ،1000 صوبے کو ملے 40000 خیرات وہاں سے ملے اور صوبہ بیس ہزار یعنی کہ ایک ہزار صوبے میں سے ہمیں 20 ارب اور جو تین ہزار ارب ہم وہاں دیتے ہیں اس میں سے ہمیں 3 ارب یعنی کہ ہمارے 4 ہزار ارب میں سے ایک فیصد بھی خیرات کراچی کو نہیں ملتی ،ہمیں نہیں ملتی تو لاڑکانہ کو کیا ملتا ہوگا، جاتا تو ہے فائلوں میں مگر لگتا کتنا ہے اصل بات یہ ہے تو پیپلز پارٹی نے بارہ سالوں میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کے یہاں سیاست اور جمہوریت کا مطلب ہے تجارت ان کے یہاں سیاست اور جمہوریت کا مطلب ہے صنعت حرفت تجارت ان چیزوں میں پیسہ لگائیں اور نکالے الیکشن میں پیسہ لگائیں اور پھر وزارتوں میں سے پیسہ نکالیں یہ ہے ڈبل کریں ٹرپل کریں ،اب میں کھول کھول کر نہیں بتا رہا یہ تاثر نہیں یہ حقیقت ہے۔ان کی باری کب آئے گی یہ مجھے نہیں پتا نہیں ان کی طرف کب متوجہ ہوگا ان کا احتساب کب ہوگا ان سے کب جان چھوٹے گی۔ متبادل قیادت بھی تو تیار نہیں ہے اندرون سندھ میں، لیکن لگتا ہے کہ پی ٹی آئی کا جو اس وقت فیور آیا ہوا ہے ہمدردی کا وہ اس مرتبہ اندرون سندھ میں پیپلز پارٹی کو اگلے انتخابات میں پریشان کرے گی اور اگر پی ٹی آئی عقلمند ہوگئی تو وہ ایم کیو ایم کے سنجیدہ سمجھدار اور بے داغ لوگوں کے ساتھ مل کر اگر اندرون سندھ میں جائے تو پی ٹی آئی اور فاروق ستار مل کر پیپلز پارٹی کا وہاں سے خاتمہ کر سکتے ہیں۔ اندرون سندھ میں کیمپ لگا کر ہم بیٹھ جائیں تین مہینے پی ٹی آئی کو میں یہ مشورہ دے رہا ہوں میں پی ٹی آئی میں شامل نہیں ہو رہا لیکن وڈیروں اور جاگیرداروں سے سندھ کو اگر نجات دلانی ہے تو ایک اچھی ایم کیو ایم کو آگے آنے کا موقع دینا ہوگا۔ ایک اچھے سیاسی عمل کو جو میں نے نوجوانوں کی شکل میں جوڑا ہے جن کو میں آگے لایا ہوں اور ابھی تک کوئی نام نہیں رکھا ابھی اس کا جیسے شیخ رشید ایک آدمی کی پارٹی ہے ویسے ہم چھ ایم این اے کی یہاں پارٹی بنائیں گے ،وہ ایک دریا ہوگا جو پی ٹی آئی کے سمندر کے ساتھ

کراچی 4 ہزار ارب ٹیکس دیتا ہے وفاق کو اور اسے چالیس ارب کی خیرات ملتی ہے جبکہ صوبے کو اس سے ہر سال ایک ہزار ارب ملتا ہے، صوبے کو اور بارہ سالوں میں بارہ ہزار ارب ملا یعنی ہم چار ہزار ارب دیں، 1000 صوبے کو ملے 40000 خیرات وہاں سے ملے اور صوبہ بیس ہزار یعنی کہ ایک ہزار صوبے میں سے ہمیں 20 ارب اور جو تین ہزار ارب ہم وہاں دیتے ہیں اس میں سے ہمیں 3 ارب یعنی کہ ہمارے 4 ہزار ارب میں سے ایک فیصد بھی خیرات کراچی کو نہیں ملتی

چلے گا، اگر پیپلز پارٹی کا کوئی مقابلہ کرنا ہے تو ایم کیو ایم کے دھڑوں کو بھی اکھٹا ہونا ہوگا اور اس میں جو خرابی ہے اس کو دور کرنا ہوگا اور اس خرابی کے۔موجد اور وجہ ہیں اس کو دور کرنا ہوگا ، نئے بچوں کو نیا خون کو نئی قیادت کو آگے لانا ہوگا ،35

سال سے کم کی 65 فیصد پارٹی کے ڈھانچے اور رابطہ کمیٹی میں 65 فیصد 35 سال سے کم عمر کے لوگوں کو لینا ہوگا اور انتخابات میں 35 سال سے کم ہو اور جیسے میں نے پچھتر پینل کھڑے کیے ہیں ،35 سال سے کم عمر تالے اور لیپ ٹاپ کا ان کا نشان ہے، بلدیاتی انتخابات ابھی تو آگے چلے گئے لیکن جب ہوں گے تو وہ بچے بھی کچھ نہ کچھ کر کے دکھائیں گے۔

سوال: ملک کی پہلے ہی معاشی پوزیشن کمزور ہے ،دوسری طرف سیاسی جماعتوں کی لیڈرشپ کے درمیان جاری کشمکش ملک میں انتشار کی کیفیت پیدا کر رہی ہے آپ بھی ایک سیاستدان ہیں کیا کہیں گے؟

ڈاکٹر محمد فاروق ستار: میرا خیال ہے کہ ملک کی مختلف سیاسی جماعتوں کی قیادت کو بہت زیادہ ہوشمندی سے سمجھ بوجھ سیاسی بصیرت سے کام لینے کی ضرورت ہے بہت سنجیدہ ہو کر ملک کے عدم استحکام اور جو سیاسی محاذ آرائی کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے ،ٹھیک نہیں ہے معیشت پہلے ہی تباہی سے دوچار ہے ،کورونا کے بعد سے جو ڈالر بے قابو ہوا اور دنیا میں تیل کی قیمتیں جس طرح اوپر گئی کوئی کاروبار نہیں، سرمایہ کاری ہو نہیں رہی بلکہ الٹا سرمایہ یہاں سے باہر جا رہا ہے۔اگر ایسے حالات میں انتہائی سنجیدگی سے سوچنے اور قومی ایجنڈا وضح کر کے اپنی قومی پالیسی کی ضرورت ہے ،اگلے انتخابات تک پی ٹی آئی اور پی ایم ایل این کو آپس میں کس طرح کا تعلق رکھنا ہے اور جو قومی ایشوز ہیں معیشت اور معاشی بحران ہے اسے کس طرح حل کرنا ہے، اگر اس ایک نقطے کے یہ لوگ نہیں آئے تو مجھے نہیں لگتا کہ اس کے بعد کوئی نئی حکومت آئے گی جو اس کو سنبھال سکے گی۔ یہ ایرانی سرکس والا تماشہ ہے جو ہم بچپن میں دیکھتے تھے ،حکمران اور سیاسی جماعتیں بھی اس تماشے کو دیکھنے میں لگے ہوئے ہیں ،وہ عوام کو سیاسی جمہوری عمل سے بہت دور کر رہے ہیں اب تو اسٹیبلشمنٹ یا پھر افواج پاکستان نے واضح کر دیا کہ انہیں بیچ میں نہ گھسیٹا جائے لیکن گزشتہ پانچ سالوں میں اتنی انوالمنٹ ہو گئی تھی پی ٹی آئی کو حکومت میں لانے میں ان کا جو بھی کردار رہا تھا وہ کوئی بہت زیادہ ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ واضح طور پر اس سے پہلے حکومتوں کی تبدیلی کسی ایک کا جانا کسی ایک کا آنا شاید اس وقت بھی اسٹیبلشمنٹ کا کردار ہوتا ہو گا لیکن وہ اتنا مخفی ہوتا تھا اتنا چھپا ہوا ہوتا تھا لیکن اس بار وہ نمایاں ہو گئے۔ تو یہ بھی ایک کردار ہے جو پہلے پیچھے ہوا کرتا تھا تو یہ افواج پاکستان اور ریاست پاکستان کے لیے اچھا نہیں ہوا ،اس میں جس کی بھی غلطی تھی پانچ سال پہلے جو ہوا، جواب ہوا اور پی ٹی آئی کو لانے کے لئے جو کچھ بھی کیا گیا تو وہ اچھا نہیں ہوا اور اس کا خمیازہ آج سب بھگت رہے ہیں، یعنی کہ موجودہ اسٹیبلشمنٹ کے بس میں بھی نہیں ہے کہ وہ اس کو کنٹرول کریں جس جن کو بوتل میں سے انہوں نے خود نکالا ہے اس کے سائز کو کم کرنا دوبارہ سے ان کے بس میں نہیں ہے اور اس نے بھی جو منجن بیچا اور وہ دوبارہ عوام میں گیا تو لوگوں نے منجن خرید لیا اور دوسرا اس نے اپنی مظلومیت کا رونا رویا اور تیسری کے اس نے جو کہا کہ جس کو آپ لائے ہیں وہ کون سے پارسا ہیں تو اصل ہیں یہ ساری باتیں۔

سوال: پی ٹی آئی حکومت کے خاتمے کے بعد عوام تو عمران خان کے ساتھ کھڑے نظر آتے ہیں، پی ڈی ایم اے نے پارلیمنٹ میں تحریک عدم اعتماد پیش کر کے اپنے گلے میں طوق کیوں ڈالا یا پھر مفادات تھے کیا آپ سمجھتے ہیں کہ عمران خان پیچ پر خطرناک اننگز کھیل رہے ہیں؟

میرا خیال ہے کہ ملک کی مختلف سیاسی جماعتوں کی قیادت کو بہت زیادہ ہوشمندی سے سمجھ بوجھ سیاسی بصیرت سے کام لینے کی ضرورت ہے، بہت سنجیدہ ہو کر ملک کے عدم استحکام اور جو سیاسی محاذ آرائی کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے، ٹھیک نہیں ہے معیشت پہلے ہی تباہی سے دوچار ہے ،کورونا کے بعد سے جو ڈالر بے قابو ہوا اور دنیا میں تیل کی قیمتیں جس طرح اوپر گئی کوئی کاروبار نہیں، سرمایہ کاری ہو نہیں رہی بلکہ الٹا سرمایہ یہاں سے باہر جا رہا ہے

ڈاکٹر محمد فاروق ستار: الٹی ہو گئی یہ سب تدبیریں نو کونفیڈنس نے کچھ کام نہیں کیا جو دیکھا اس بیماردل نے آخر کام تمام کیا مطلب یہ ہے کہ ووٹ آف نو کانفیڈنس سے کام نہیں چلا اور یہ پی ڈی ایم والے اس پچھاڑ میں خود آ گئے جس کے پیچھے بہت سارے لگے ہوئے تھے اور انہوں نے خود اپنے آپ کو پیش کر دیا احتساب کے لئے جو ان کو نہیں کرنا چاہیے تھا ،یہ جلد بازی نہیں کرنی چاہیے تھی ،اب اس کے پیچھے بھی کوئی گیم ہے یا نہیں ہے ہمیں نہیں پتا لیکن پی ٹی آئی کا لگتا ہے اللہ تعالی نے پھر ہاتھ تھام لیا ،پھر انھیں ایک موقع مل گیا، عوامی پذیرائی اور عوامی تائید تو ہے مگر لیکن کسی بھی عوامی پذیرائی اور عوامی تائید اور اللہ تعالی نے اگر ایک اور موقع دیا عمران خان کو تو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عمران خان پاکستان کے آئین سے بالاتر یا برتر ہو گیا ہے، پاکستان کی ریاست سے بالاتر ہو گیا ہے پاکستان کے تمام آئینی اور ریاستی اداروں سے بالاتر ہو گیا ہے اور سپریم اتھارٹی ہو گی اور جو کہے وہ نہ آئین میں نا قانون میں قابل قبول ہے اور نہ کوئی ادارہ ان کے خلاف کارروائی کر سکتا ہے، یہ تو یہاں نہیں سمجھنا چاہیے انہوں نے جو فیصل آباد کے جلسے میں بات کی وہ انتہائی حد سے تجاوز کرتے ہوئے کہی ہے کیونکہ جو میں سمجھتا ہوں کے وہ ان کو ابھی نقصان نہیں دے گی تو آگے چل کر نقصان دے گی اور ان کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ بنے گی کیونکہ آئی ایس پی آر کا ایک کھلا بیان ہے کے تمام سیاسی اکابرین جماعتوں نے چاہے میرا گروپ بظاہر چھوٹا ہوں ایم کیو ایم تو ہم سب نے بیان دیا ہے کہ جو عمران خان نے افواج پاکستان اور جو شہداء ہیں جنہوں نے سرحدوں پر قربانیاں دیں، دہشت گردی کے خلاف جنگ میں قربانیاں دیں، جام شہادت نوش کیا، جو ان کی فیملی رہی جو ابھی بھی گزشتہ دنوں چار فوجی جو شہید ہوئے ہیں، حال ہی میں تین روز چار روز پہلے تو ان کے اہل خانہ کیا سوچیں گے اور فوج کے ادارے کے سربراہ کا اگر عمل دخل سیاست میں رہا بھی ہونا تو پورے فوج کے ادارے اور اعلیٰ ترین عہدے یا پھر سربراہ کی سلیکشن کے عمل کو متنازعہ بنانا تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ آپ تو سپریم اتھارٹی ہو گئے، آپ کی نظر میں جو فوجی افسران محبّ وطن ہے وہ تو سربراہ بن سکتے ہیں اور جو آپ کی نظر میں محبّ وطن نہیں ہے وہ نہیں بن سکتا، پہلے تو سیاستدان اگر کوئی سخت بات کہتے تھے تو ان کے اوپر غداری اور حب الوطنی کے سرٹیفکیٹ بنتے تھے اور اب عمران خان نے یہ اختیار

لے لیا ہے کہ وہ سپریم اتھارٹی ہے کہ وہ کسی کو جواب دہ نہیں ہے، وہ جس کو چاہے غدار کہہ دے، جس کو چاہے محبِ وطن، لہٰذا وہ نومینیٹ کریں گے کہ افواج پاکستان کا سربراہ اور چیف آف آرمی اسٹاف کون ہوگا اس اور جس کو وہ نومینیٹ کریں گے تو وہ محبِ وطن ہوگا اور جس کو وہ نومینیٹ نہیں کریں گے تو وہ محبِ وطن نہیں ہوگا اس کا مطلب ہے کہ وہ فوج اور فوج کے اعلیٰ عہدوں پر فائز مختلف جرنلوں کو کیا میسج دے رہے، بہت سارا عمران خان کا اپنا نظریہ بہت سارے اعلیٰ افسران کو بھی قابل قبول تھا لیکن جو یہ والی بات کرے اگر ان کی حمایت کی بھی تو عمران خان نے وہ حمایت بھی اپنے ہاتھ سے جانے دی ہے، مجھے لگتا ہے کہ عمران خان نے اپنی زندگی کی اس طرح کی سنگین غلطی کی ہے کہ جس طرح ایم کیو ایم کے بانی نے 22 اگست پاکستان کے خلاف نعرے لگا کر کی تھی تو مجھے لگتا ہے کہ یہ اسی کے برابر کی غلطی ہے آپ نے ایک پورے ادارے

کو جس کی مجموعی جس کا آج بھی جو ایک پرسپشن ہے جو اس کا کردار ہے وہ غیر جانبدار ہے ایک تو اس کے افسران ہو سکتے ہیں جو تجاوز کر رہے ہو اور اب جو پورے ادارے کا اعلیٰ ترین عہدہ ہے جس کی تعیناتی پر متنازع بنائیں گے اور اپنی طرف سے کہیں گے کہ کون سا فوجی افسر محبِ وطن ہے اور کون سا نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ فوج کے اندر لوگوں کو کہہ رہے ہیں کہ مختلف اعلیٰ عہدوں میں ہر افسران محبِ وطن نہیں ہے، آپ یہ کہہ رہے ہیں گویا کہ آپ کی نظر میں جو محبِ وطن ہے تو آپ اسے بنانا چاہتے ہیں، سربراہ فوج کا آپ کی پسند کا اور باقی کے نہیں ہیں کہ جن کا حق بنتا ہے جو میرٹ پر ہیں جنہوں نے پچیس تیس سال فوج میں خدمات سرانجام دی ہیں، قربانیاں دی ہیں، لڑائی لڑے ہیں، جنگیں لڑی ہیں، تو یہ میرے خیال میں عمران خان نے پل بھر کو جھنجھوڑ دیا ہے، اس کو جڑ سے ہلانے کی کوشش کی ہے اور یہ میں نہیں کہتا کہ یہ قابل معافی ہے کہ قابل معافی نہیں ہے۔ یہ ایک سنگین اور نا قابل قبول غلطی ہے اور اس کا خمیازہ اسے اور اس کی پارٹی کو بہت دور تک بھگتنا پڑے گا۔ مجھے یہ لگتا ہے ان کے اوپر تو پہلے ہی ایک تلوار لٹک رہی ہے جو آرٹیکل 5 کی تشریح اسپیکر نے کی اور پھر عمران خان نے اسپیکر کی اس تشریح کے بعد اسمبلیاں توڑ دیں اور صدر نے اسے سرٹیفائی کر دیا تھا تو تینوں آرٹیکل 5 کی غلط تشریح کرنے اور آئین کی خلاف ورزی کرنے پر جس کو سپریم کورٹ نے کہا کہ یہ غلط تشریح کی گئی ہے لیکن اس پر آرٹیکل 6 لگے گا کہ نہیں لگے گا اس کا فیصلہ حکومت کرے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے یہ لگتا ہے کہ عارف علوی صاحب نے پہلے سے ہی ایک بہتر بیان دیا ہے کہ اپنے آپ کو عمران خان سے الگ رکھا ہے اور اپنے آپ کو پی ٹی آئی سے الگ رکھا ہے مگر یہاں پر ان کا کردار ختم نہیں ہوتا ان کو اس پر آگے بات کرنی چاہیے تھی اور عمران خان سے کہنا چاہیے کہ وہ معافی مانگیں جیسے ایم کیو ایم کے بانی نے بھی اتنا بڑا بیان تو دے دیا مگر اس کے اگلے دن ہی اس نے معافی مانگ لی تھی جس کو عدالت نے اب تک نہیں مانا اور اس کے بعد بھی کئی بار مانگی اور نہ میں اس کے خلاف بات کر رہا ہوں اور نہ میں ان کے اس کے حق میں میں صرف ریکارڈ کی درستگی کے لیے بات کر رہا ہوں کہ اس نے معافی مانگی لیکن عمران خان تو کسی بات پر معافی نہیں مانگ رہے۔

سوال: سندھ حکومت کی درخواست پر بلدیاتی الیکشن ملتوی کرا دیئے گئے، سیاسی جماعتوں کی تیاریاں دھری کی دھری رہ گئیں، بارشیں ختم ہوگئی ہیں لیکن الیکشن جلد ہونے کا کوئی امکان ہے؟

ڈاکٹر فاروق ستار: الیکشن کمیشن اور ریاستی ادارے

جب کوئی فیصلہ کریں تو سپریم کورٹ کچھ نہیں کر سکتی لیکن یہ نقصان ہو گیا، میں جماعت اسلامی کے پاس جاؤں گا اور تعزیت کروں گا کہ ان کا اربوں روپے خرچ ہو گیا تو ان کی تعزیت کے لیے میں جاؤں گا، ایم کیو ایم کے امکانات تو بہت کم ہیں کہ اب اس کا کوئی میئر اے یا اسے اکثریت ملے یہ تو اس نے اپنی پالیسی اور اپنی غلطیوں سے بار بار

میں جماعت اسلامی کے پاس جاؤں گا اور تعزیت کروں گا کہ ان کا اربوں روپے خرچ ہو گیا تو ان کی تعزیت کے لیے میں جاؤں گا، ایم کیو ایم کے امکانات تو بہت کم ہیں کہ اب اس کا کوئی میئر اے یا اسے اکثریت ملے یہ تو اس نے اپنی پالیسی اور اپنی غلطیوں سے بار بار ثابت کر دیا اور وہ صرف اقتدار اقتدار کی سیاست کر رہی ہیں اور انہیں عوام کے مسائل حل کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اور ابھی بھی مداری کی طرح آصف علی زرداری انہیں کمار ہا ہے اور ان کے یوں بلدیاتی خانوں میں تبدیلی ہوئی۔

ثابت کر دیا اور وہ صرف اقتدار اقتدار کی سیاست کر رہی ہیں اور انہیں عوام کے مسائل حل کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اور ابھی بھی مداری کی طرح آصف علی زرداری انہیں کمار ہا ہے اور ان کے یوں بلدیاتی خانوں میں تبدیلی ہوئی۔ اس میں سپریم کورٹ میں میری پٹیشن فروری 2022 میں سپریم کورٹ آف پاکستان چیف جسٹس گلزار احمد نے منظور کی اور جو فیصلہ دیا اس کے مطابق کوئی ترمیم نہیں ہو رہی اور اگر ترمیم نہیں ہو رہی تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ سپریم کورٹ میں واپس جانا چاہئے، توہین عدالت میں اور ڈراف کرنا چاہیے اور میں بھی کروں گا اور خالد مقبول صدیقی بھی اس پر سائن کریں، ٹی ایل پی بھی کرے اور جماعت اسلامی بھی، آفاق بھی کرے، پی ٹی آئی بھی کریں، یہ وہ جماعتیں ہیں جو کراچی کے لیے بات کر رہی ہیں۔ پیپلز پارٹی کے خلاف جب تک یہ قانون پاس نہیں کرائیں گے تو جس کا بھی میئر آئے گا تو وہ بچارا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہے گا۔ ہمارے سابقہ میئر کی طرح سب ملے ہوئے ہوں گے پیسے ویسے لے کر کرپشن کریں گے حالانکہ اختیار نہیں تھا مجھے بھی نہیں تھا مگر اس زمانے میں کچرا بھی اٹھتا تھا اور نالیاں ٹھیک ہوتی تھی، برساتی نالے ٹھیک ہوتے تھے جو تین چیزیں ہم کرتے تھے انہوں نے ان تینوں چیزوں کی طرف توجہ نہیں کی مگر لوگوں کو خوب پیسہ دے دے کر چیئرمینوں کو خوب مزے کروائے، سب کو پیسے دے دے کر چھوٹے موٹے کام کروا لئے، گلیوں میں اب کراچی میں لاکھوں گلیاں ہیں آپ جا کر دیکھیں کہ کون سی گلیوں میں کام ہوا ہے، جماعت اسلامی پی ٹی آئی ٹی ایل پی اور اور ایک آزاد گروپ میری طرح کا ہم چار لوگوں کے درمیان مقابلہ ہوگا، مجھے یقین ہے انشاءاللہ اور ایم کیو ایم کا ووٹ ہے، میری سیاست یہ ہے کہ میں عوام سے ہوں اور عوام مجھ سے ہے اور عوام سے مجھے کوئی دور نہیں کر سکتا، ووٹوں کی گنتی انتخابات میں جیت یا ہار یہ میرے نظریاتی سوچ و فکر میرے راستے میں رکاوٹ نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ ساری سینئر لیڈر شپ فارغ ہو چکی ہیں، ذہنی طور پر اور جیسا کہتے ہیں کہ سیاست میں اخلاقیات میں یہ دیوالیہ پن اختیار کر رہے ہیں

۔کرپشن میں چلے گئے ہیں مفادات کی سیاست ہو رہی ہے۔لہٰذا نوجوان قیادت اور نیا خون لائیں گے ان کے ہاتھوں میں کراچی اور پاکستان دیں گے تو تبدیلی آئے گی ورنہ نہیں اور وہاں سے ایک نیا سفر شروع ہوگا اور مجھے امکانات نظر آرہے ہیں اس لیے میں نے اپنا سارا وزن نوجوانوں کو آگے لانے میں کر دیا ہے۔ وہ بھاگ دوڑ سنبھالنے وہ الیکشن لڑیں اس میں پیسے والے گھرانوں میں ایسے بھی ہیں صنعتکار کاروں سے اچھے گھرانوں سے ہیں۔

صرف خواہشوں سے گرانہیں کرتے پھل جھولی میں وقت کی شاخ کو میرے دوست ہلانا ہوگا اور جولوگ یہ خواہش رکھتے ہیں ان کو اپنا اپنا دباؤ سب پر ڈالنا ہوتا ہے لیکن سب سے زیادہ ایم کیو ایم پاکستان پر کیونکہ حقائق سے اگر سب سے زیادہ چشم پوشی اگر کوئی کر رہا ہے تو وہ ایم کیو ایم پاکستان کے پالیسی بنانے والے فیصلہ کرنے والے جنہوں نے ایک ہی پالیسی رکھی ہوئی ہے اقتدار اقتدار یہاں بھی وزارت چاہیں وہاں بھی وزارتیں نکاح پر نکاح کرلیا، عدت کا بھی جو دورمدت ہے اسے بھی گزارنا گوارا نہ کیا۔ پی ٹی آئی کو عین وقت پر چھوڑ دیا، یہ سارا عمل کوئی اچھی نظر سے نہیں دیکھا گیا، اقتدار تو یہاں بھی ملا تھا، پی ٹی آئی میں لیکن وہاں تو لڑکی بھی لیں اور جہیز بھی لیا وعدہ لیا جہیز کا لیکن جہیز ملا نہیں میئر کی رقم ملی نہیں ، گورنر شپ ۔ایڈمنسٹریٹر شپ ،ایڈوائزر شپ ،ایک دوست کی ایک دوست کو نواز دی صادق کو وہ دوست ہے۔ خالد مقبول صدیقی کا ہمارے دوستوں پر اعتراض ہم پئیں تو حرام تم پیو تو حلال تو یہ کیسی پالیسی ہے، میرٹ کی بات کرتے ہیں، کوئی اصول نہیں، کوئی نظم وضبط نہیں، نولوگوں کی پارٹی ہے، نوسر براہ ہیں، اس وقت موقع کا ٹولہ ہے وہ سب اپنے اپنے مفادات کوئی کہیں لے کر جا رہا ہے کوئی کہیں لے کر جا رہا ہے اور نتیجے میں یہ عوام سے لاتعلق ہوگئے ہیں ۔عوام سے دور ہوگئے ہیں ،لوگوں کے دلوں سے اتر گئے ہیں اور اس کا واضح ثبوت این اے دوسو چالیس تھا جہاں 65 ووٹوں سے انہیں بہت مشکل سے جتایا گیا ہے، جیتے نہیں

صرف خواہشوں سے گرانہیں کرتے پھل جھولی میں وقت کی شاخ کو میرے دوست ہلانا ہوگا اور جولوگ یہ خواہش رکھتے ہیں ان کو اپنا اپنا دباؤ سب پر ڈالنا ہوتا ہے لیکن سب سے زیادہ ایم کیو ایم پاکستان پر کیونکہ حقائق سے اگر سب سے زیادہ چشم پوشی اگر کوئی کر رہا ہے تو وہ ایم کیو ایم پاکستان کے پالیسی بنانے والے فیصلہ کرنے والے جنہوں نے ایک ہی پالیسی رکھی ہوئی ہے اقتدار اقتدار یہاں بھی وزارت چاہیں وہاں بھی وزارتیں نکاح پر نکاح کرلیا، عدت کا بھی جو دورمدت ہے اسے بھی گزارنا گوارا نہ کیا۔

وہاں کیا مسئلہ تھا وہاں تو میں نہیں لڑا تھا وہاں تو ووٹ تقسیم نہیں ہوئے، آفاق سے تقسیم ہوئے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ والی تالی جو سب کی بجتی سے بجے گی تین یا چار ہاتھوں سے بجے گی ایک ہاتھ سے نہیں بجے گی میں اور خالد مقبول اگر کسی ایک جگہ پر یکجا ہو جائیں تو جو ہم ہوگئے تھے لیکن بعد میں کہا گیا کہ ہم آپ کو ایک ورکر اجلاس میں نہیں لا سکتے کیونکہ بزرگوں نے منع کر دیا ہے تو میں نے اپنی طرف سے بزرگوں سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ آپ کی طرف سے تو زیادہ کلیئرنس ہے سب سے زیادہ کلیئر ہے تو میں نے کہا چلو معید کو سپورٹ کرتا ہوں کہ آپ نے میری بات مان لیں لیکن آپ نے میری طرف سے اجلاس نہیں کیا واپس نہیں لیا تو میں دوبارہ کھڑا ہوگیا اور پھر مجھ پر ایک دفعہ دباؤ آیا کہ میں بیٹھ جاؤں لیکن میں نہیں بیٹھ سکا، میں ایک دفع بیٹھ گیا تھا اور میں نے معید کے حق میں اعلان کر دیا تھا کہ غیر رسمی عیدگاہ میں عید کی نماز میں گئے، بھائی پتنگ ٹھیک ہوگئے ہیں پتنگ اڑائے گی لیکن آپ نے میری اس شرافت اور سادگی کے لیے بعد میں ہری جھنڈی دکھا دی اور پارٹی میں عزت اور مان کے ساتھ پارٹی میں واپس نہیں لیا ایک ورکر اجلاس کر کے جس میں ایک ایونٹ ہوتا ہے جس میں ایک نیریٹیو دیتے کہ بگاڑ اور خرابی کو دور کریں گے، نوجوانوں کو آگے لائیں گے عوام سے جڑیں گے اور ایک کم سے کم سولڈ ایجنڈے پر ہم میں نیریٹیو دے کر آگے بڑھیں گے اور پیپلز پارٹی کو کراچی حیدرآباد سکھر سے یہاں کی سیاست سے باہر کر دیں گے، سیاسی جدوجہد کے ذریعے یہ نیریٹیو آپ کو دینا ہوگا اور اگر آپ نے یہ نیریٹیو نہیں دیا لیکن اس کی سب سے بڑی شرط یہ ہے اور اللہ سے دعا ہے کہ ایم کیو ایم پاکستان کے تمام دھڑوں کو میری اس بات کا اندازہ ہو۔

سوال: بلاول بھٹو ایک نوجوان لیڈر ہے، عوامی سطح پر انکی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے کیا وہ یوتھ کو اپنی طرف متوجہ کر سکے گا؟

ڈاکٹر محمد فاروق ستار: بلاول بھٹو میں تو یہ کہتا ہوں کہ وہ ایک لیڈر ہے مگر بدقسمتی سے وہ پیپلز پارٹی میں ایک پالیسی ہے کہ شکرے بیمار کی طرح کرپشن کرنا اور پیسے کمانا تو اسے بلاول بھٹو بھی نہیں روک سکے تو بجا طور پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ پٹواریوں کے لیڈر ہیں وہاں پٹواری کی پوسٹنگ سب سے اہم ہے اور سب سے مہنگی ہے جو ریونیو میں لینڈ میں پوسٹیں ہوتی ہے، جو گولڈ مائنز ہیں بحریہ ٹاؤن جیسے 41 ہزار ایکڑ زمین ایسے مفت میں دے دیں ہو تو ایسے سہیل بابو اس وقت کے ڈی جی ایم ڈی نے تو وہ بھی ایک پٹواری ہے، ڈائریکٹر جنرل ایم ڈی بڑا پٹواری ہے، جو چھوٹے پٹواریوں سے کام لیتا ہے اور 41 ہزار ایکڑ کی زمین مال مفت دل بے رحم ملک ریاض کو الاٹ کر دی بعد میں 500 ارب کی پیلنٹی سپریم کورٹ نے لگائی، سپریم کورٹ نے کس چیز کی پینٹی لگائی، 500 ارب کی وہ زمین دینے کی لگائی نا تو پانچ سو ارب کی زمین دینے پر کوئی سزا نہیں ہے، ڈی جی ایم ڈی اے کا کوئی کیس نہیں ہے، دینے لینے والوں دونوں پر کچھ نہیں ہے۔ یہ ظلم تو پٹواریوں کی لیڈرشپ تو ہے ان کے پاس اور ایک مصنوعی اندرون سندھ آبادی کی یہاں کی آبادی کم گنی جاتی ہے، وہاں کی زیادہ تاکہ ان کے ایم پی اے ایم این اے زیادہ ہیں تاکہ ان کا سی ایم آئے اور کراچی سے کبھی کوئی نہ آسکے حالانکہ کراچی کی آبادی پورے سندھ سے زیادہ ہو چکی ہے اگر مردم شماری صحیح ہوگی تو اگلا سی ایم کراچی سے آئے گا، چاہے وہ کوئی بھی زبان بولنے والا ہوگا۔

اگر اتنی بڑی تعداد آجاتی ہے اور اتنی بڑی تعداد کے مطابق یہاں سہولت نہیں دی جاتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پانی کی کمی تو یہاں پہلے ہی ہے اور اس میں ویسے ہی پانی کی کمی کے اثرات تلوار کی طرح لٹک رہے ہیں اور وہ لسانی فسادات میں تبدیل ہوں گے اور یہ ایک لسانی میگریشن ہوگی جو یہاں آگئی دو زور زور ایک دفعہ پھر نفرت 12 بیج بویا جائے گا بھائی کو بھائی سے لڑایا جائے گا اور اس شہر میں پھر اللہ نہ کرے سیکڑوں لاکھوں بے گناہ جانوں کا نقصان ہوگا، لسانی فسادات ٹوٹ پڑیں گے جس کو روکنا کسی کے بھی بس کی بات نہیں ہوگی، کراچی بیس سال لبنان کے بہروپ کی طرح اس کشیدگی سے تشدد بھرے لمحات سے نکالنا کسی کے بس کی بات نہیں ہوگی۔

پی ٹی آئی کو عین وقت پر چھوڑ دیا، یہ سارا عمل کوئی اچھی نظر سے نہیں دیکھا گیا، اقتدار تو یہاں بھی ملا تھا، پی ٹی آئی میں لیکن وہاں تو لڑکی بھی لیں اور جہیز بھی لیا وعدہ لیا جہیز کا لیکن جہیز ملا نہیں میئر کی رقم ملی نہیں، گورنر شپ ۔ایڈمنسٹریٹر شپ، ایڈوائزر شپ، ایک دوست کی ایک دوست کو نواز دی صادق کو وہ دوست ہے۔ خالد مقبول صدیقی کا ہمارے دوستوں پر اعتراض ہم پئیں تو حرام تم پیو تو حلال تو یہ کیسی پالیسی ہے، میرٹ کی بات کرتے ہیں، کوئی اصول نہیں، کوئی نظم وضبط نہیں۔

کام کی جگہ پر ہراسانی کا قانون کتنی حقیقت، کتنا فسانہ

خواتین کی اکثریت کو کام کی جگہ پر ہراسانی کا مسئلہ درپیش ہے

سعدیہ مظہر

خواتین کی اکثریت کو کام کی جگہ پر ہراسانی کا مسئلہ درپیش ہے۔ (فوٹو: فائل)

یہ 2018 کی بات ہے۔ پاکستانی نیوز میڈیا میں شہر اقتدار میں ایک بڑے نیوز چینل کے لانچ ہونے کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ مجھے بھی اس چینل سے انٹرویو کی کال آئی۔ بات تعلیمی قابلیت اور تجربے سے زیادہ میری ظاہری شخصیت اور لباس پر مرکوز رہی۔ پھر یہ سلسلہ رات کے پچھلے پہر بات کرنے کی خواہش سے چائے پر ملنے تک پہنچنا شروع ہوا۔

بات بڑھی تو معاملہ اسی نئے چینل کے ایچ آر ڈپارٹمنٹ تک لے جایا گیا۔ گمان تھا کہ مالک خاتون ہیں تو کم از کم ان صاحب کو آڑے ہاتھوں لیا جائے گا مگر پانچ سال کے بعد بھی وہ صاحب وہیں موجود ہیں۔

پاکستان میں کام کی جگہ پر ہراسانی ایکٹ 2010 کے منظور ہونے کے بعد تقریباً ہر ادارے کو اس بات کا پابند کیا گیا تھا کہ وہ اپنے اپنے ادارے میں ہراسانی کمیٹیاں بنائے تاکہ اس طرح کے ہر معاملے سے بخوبی نمٹا جا سکے۔

پاکستان ہر میدان میں صنفی برابری کی دوڑ میں بہت پیچھے ہے اور اسی کمی کا سامنا پاکستان کی میڈیا انڈسٹری میں بھی ہے۔ وقت بدلنے کے ساتھ میڈیا کی جانب خواتین کا رجحان کچھ بڑھا ضرور ہے مگر کم تنخواہ، بنیادی ضروریات کی عدم فراہمی اور مرد حضرات کی جانب سے امتیازی سلوک کے ساتھ ساتھ خواتین کو ہراسانی کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے، جو انہیں اس شعبے سے دور رہنے پر مجبور کرتا ہے۔

پاکستان کے دو بڑے میڈیا ہاؤسز تو ہراسانی

کمیٹیاں بنا کر ان پر سختی سے عمل بھی کروا رہے ہیں۔ عائشہ پچھلے پندرہ سال سے ایکسپریس نیوز کے ساتھ کام کر رہی ہیں۔ عائشہ کا کہنا ہے کہ مجھے ایک بار ایک شخص کی موجودگی میں کام کرنے سے عجیب الجھن ہونے لگی۔ تب میں نے ایچ آر ڈپارٹمنٹ میں جا کر شکایت کی اور فوراً اس شخص کی شفٹ بدل دی گئی۔ اس میڈیا ہاؤس میں کام کرنے والی ہر خاتون اتنی ہی مطمئن ہے کہ اس ادارے میں ہراسانی کے حوالے سے کی گئی کسی بھی شکایت کو نرمی سے نہیں لیا جاتا۔

تنزیلہ مظہر ایسے ہی ایک ہراسانی کے کیس کو بہت سال سے لے کر چل رہی ہیں اور پی ٹی وی کے افسر پر کیا گیا ہراسانی کا کیس بھی ساتھی خواتین بہت سال بعد عدالت سے جیتیں۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان اداروں میں کام کی جگہ پر ہراسانی کمیٹیاں یا تو موجود نہیں یا پھر مکمل فعال نہیں ہیں۔

میڈیا انڈسٹری میں خواتین کی تعداد کم ہونے کی بہت بڑی وجہ ان کے معاشی اور جسمانی تحفظ کی عدم فراہمی ہے۔ اس موضوع پر بات سننا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی خاتون لب کھول بھی لے تو عموماً اسے ہی چپ کروانے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔

وفاقی محتسب یا ایف آئی اے تک ایسی کسی بھی شکایت کا اندراج ایک ناممکن سی بات ہے، کیونکہ مردوں کے اس سماج میں اپنے لیے جگہ ڈھونڈ لینا ہی بہت بڑی کامیابی ہوتی ہے۔ ایسے میں اگر ادارے یا ادارے کے کسی بھی فرد کے خلاف شکایت کا اندراج کروایا جائے تو یہ نوکری سے ہاتھ دھونے کے مترادف ہوگا۔

عائشہ بخش ایک پرائیویٹ چینل میں قائم ہراسانی کمیٹی کو ہیڈ کرتی ہیں اور اس ادارے کے ملازمین کا کہنا ہے کہ اس کمیٹی کے بہتر کام کی وجہ ہی سے ہمارے ادارے کا ماحول بہت دوستانہ اور قابل عزت ہے۔ یعنی عورت کے مسائل کو سمجھنے کیلئے اگر عورت کو اعلیٰ عہدے پر لگایا جائے تو بہتر نتائج سامنے آتے ہیں۔

الیکٹرانک میڈیا میں یہ کمیٹیاں کافی حد تک فعال ہیں مگر یہاں بڑا سوالیہ نشان پرنٹ میڈیا کا ہے۔

باقی صفحہ 26 پر ملاحظہ فرمائیں)

موسیمیاتی تبدیلی نے پاکستان پر تباہ کن اثرات چھوڑے ہیں

وفاقی وزیر برائے تخفیف غربت اور سماجی تحفظ شازیہ مری

پاکستان کا کاربن پھیلانے میں ایک فیصد سے بھی کم کردار ہے اور کاربن اخراج کے ذمہ دار امیر اور ترقی یافتہ ممالک ہیں

ایسے ممالک کو آگے بڑھ کر سیلاب متاثرین کی امداد اور مدد کرنی چاہیے۔ عالمی اداروں کی امداد کے بہت مشکور ہیں

عمران خان صاحب کو آج بھی اپنی کرسی چھن جانے کا غم ہے، وہ ہمارے کاموں کو ڈس کریڈیٹ کریں گے

پی ٹی آئی ایک ٹرولنگ کی جماعت ہے جو صرف رولنگ کرتی ہے جس کو خدا اور رسول کا خوف نہیں ہے

عمران خان اور اس کے بات ماننے والوں کو دماغ کے ڈاکٹر کی ضرورت ہے وہ لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے

بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام نے اپنا ہی ریکارڈ توڑا ہے، ہیومن رائٹس پوسٹ کو خصوصی انٹرویو

انٹرویو: ملک منور حسین۔ڈپٹی ایڈیٹر
فوٹوگرافر: دلشاد غوری

پاکستان پیپلز پارٹی کی سیکریٹری اطلاعات شازیہ عطا مری 8 اکتوبر 1978 کو کراچی میں پیدا ہوئیں۔ان کا آبائی گاؤں بلانی سانگھڑ ہے،شازیہ مری صوبہ سندھ کی جاگیردار اور سیاسی فیملی سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کے دادا علی محمد خان مری قیام پاکستان سے قبل سندھ کی قانون ساز اسمبلی کے رکن تھے جب کہ شازیہ مری کے والد رئیس عطا مری سندھ کے ایک قد آور سیاستدان تھے۔وہ کئی مرتبہ ایم این اے منتخب ہوئے،ایوب خان کے دور میں ممبر آف پارلیمنٹ رہنے والے عطا محمد مری 1970ء کے جنرل الیکشن میں پیپلز پارٹی کو شکست دے کر دوبارہ ایم این اے بنے جبکہ 1977ء کے عام انتخابات میں پیپلز پارٹی کی جانب سے بلا مقابلہ ممبر آف پارلیمنٹ بنے تھے۔جنرل ضیاء الحق کی شوریٰ کا حصہ بھی بنے رہے اور عطا محمد مری 90 میں سندھ اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر بھی بنے تھے۔شازیہ مری کی والدہ پروین مری بھی سندھ اسمبلی کی ممبر رہ چکی ہیں،شازیہ مری نے اپنی ابتدائی تعلیم کراچی میں حاصل کی،بی اے تک تعلیم مکمل کی شازیہ مری کی،شادی کم عمری میں ہی کردی گئی،اللہ وتبارک تعالی نے اولاد جیسی نعمت سے بھی نوازا مگر انکی شادی کچھ زیادہ عرصہ نہ چل سکی۔

پروفیشنل کیریئر کی بات کریں تو شازیہ مری ایک عرصے تک مقامی ٹی وی چینل کی میزبانی بھی کرتی رہی،سیاست کے میدان پرویز مشرف کے دور میں ہونے والے 2002 کے انتخابات میں پہلی مرتبہ سندھ اسمبلی کی ممبر بنیں،شازیہ مری میڈیا کی سرخیوں میں 2006 میں آئی اس وقت مسلم لیگ ق کے ارباب رحیم سندھ کے وزیراعلیٰ تھے۔2008 کے جنرل الیکشن ہوئے اور پاکستان پیپلز پارٹی کے مرکز کے علاوہ سندھ اور بلوچستان میں اقتدار میں آئی اور شازیہ مری وومن ریزرو سیٹ پر ایم پی اے بنائی گئیں اور اور انہیں چیف منسٹر سندھ سید قائم علی شاہ نے اپنی کابینہ میں وزیر اطلاعات بنایا،شازیہ مری سیاحت،الیکٹرک پاور کی بھی وزیر رہیں۔جب سال 2012 میں پیپلز پارٹی کی ایم این اے اور فیڈرل منسٹر فوزیہ وہاب کا انتقال ہوگیا تو ان کی سیٹ خالی کی ہوئی وومن ریزروسیٹ پر شازیہ مری کو لانے کا فیصلہ ہوا ،شازیہ مری نے صوبائی سندھ اسمبلی کی نشست سے استعفیٰ دیا اور پہلی بار اور ایم این اے بنیں،2013 کے جنرل الیکشن آئے تو شازیہ مری کو پہلی بار جنرل سیٹ کا ٹکٹ ملا۔پیپلز پارٹی کی شازیہ مری کا مقابلہ پیر صاحب پگاڑا مرحوم کے بیٹے صدرالدین شاہ راشدی سے ہوا۔شازیہ مری پیر صدر الدین شاہ راشدی نے 74 ہزار ووٹوں کے مقابلے 62 ہزار 231 ووٹ حاصل کیے اور انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔تب شازیہ مری کو خواتین کی مخصوص نشست پر ایم این اے بنایا گیا اور وہ 2013 سے 2018 تک اسلام آباد کے پارلیمان کا حصہ رہیں اس دوران وہ پاکستان کے ٹی وی چینلز پر نظر آتیں اور اپنی پارٹی کو ڈیفنڈ کیا کرتیں۔2018 کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کی قیادت نے شازیہ مری پر اعتماد کرتے ہوئے اسے سانگھڑ کے حلقے سے ٹکٹ دیا جبکہ شازیہ مری کا مقابلہ گرینڈ ڈیموکریٹک الائنس کے امیدوار کشن چند پروانی سے ہوا۔امسٹر پروانی ستر ہزار کے ووٹوں کے

مقابلے میں 80 ہزار سے زائد ووٹ شازیہ مری کی جھولی میں آئے اور یوں جنرل سیٹ سے منتخب ہوکر ممبر آف پارلیمنٹ منتخب ہوئی اور اس وقت تک قومی اسمبلی کی متحرک رکن ہیں۔ ضلع سانگھڑ کی تحصیل جام نواز کے علاقے بیرانی کے رئیس محلے میں شازیہ مری کا گھر ہے۔ کراچی کے علاقے ڈیفنس میں رہائش ہیں، ملک کی موجودہ سیاسی سماجی معاشی سیلابی صورتحال متاثرین کی بحالی وفاقی و صوبائی حکومتوں کے کردار بارے میں ''ماہنامہ ہومن رائٹس پوسٹ'' کے لئے ایک نشست میں تفصیلی غورخوص کیا گیا، جو قارئین کی دلچسپی کے لئے پیش خدمت ہے۔

سوال:۔ حالیہ سیلاب سے ہونے والے جانی ومالی نقصانات اور متاثرین کی بحالی حکومت کے لئے بڑا چیلنج ہے، آپ وفاقی کابینہ کا حصہ ہیں ان مسائل سے نکلنے کے لئے حکومت کیا اقدامات اٹھارہی ہے۔

شازیہ عطا مری:۔ حالیہ بارشوں اور سیلاب سے پاکستان میں بڑے پیمانے پر تباہ کاریاں واقع ہوئی ہیں جس سے صوبہ سندھ، بلوچستان، کے پی کے اور پنجاب کے کئی اضلاع شدید متاثر ہوئے ہیں جبکہ سیلاب سے 3 کروڑ 30 لاکھ لوگ بے گھر ہوگئے ہیں اور سیلاب متاثرین کی تعداد کئی ممالک کی آبادی سے کہیں زیادہ ہے۔

موسمیاتی تبدیلیوں کی تباہ کاریوں سے کوئی بھی ملک نہیں بچ سکتا لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ جن ممالک کا موسمیاتی تبدیلی میں حصہ نہیں ان کا بہت نقصان ہوا ہے۔ موسمیاتی تبدیلی نے پاکستان پر تباہ کن اثرات چھوڑے ہیں۔ پاکستان کا کاربن پھیلانے میں ایک فیصد سے بھی کم کردار ہے اور کاربن اخراج کے ذمہ دار امیر اور ترقی یافتہ ممالک ہیں، ایسے ممالک کو آگے بڑھ کر سیلاب متاثرین کی امداد اور مدد کرنی چاہیے۔

حالیہ سیلاب سے متاثرین کی تکلیف تصور سے کئی گنا زیادہ ہے، متاثرین کی مدد کیلئے دنیا کی توجہ بالآخر پاکستان کی طرف آئی ہے اور عالمی اداروں بشمول اقوام متحدہ کی ایجنسیز، عالمی بینک، ایشیائی ترقیاتی بینک، ورلڈ فوڈ پروگرام و دیگر عالمی اداروں نے سیلاب سے متاثرہ افراد کی بھرپور امداد کی ہے جس پر ہم انکے بہت مشکور ہیں۔

سوال:۔ بینظیر انکم سپورٹ پروگرام کے ذریعے متاثرین کی کیا امداد کی جارہی ہے اور اب تک کتنی رقم فراہم کی جاچکی ہے اس کی شفافیت بارے بھی بتائے۔

شازیہ مری:۔ وفاقی حکومت سیلاب سے متاثرہ افراد کی ہر ممکن کوشش کررہی ہے لیکن سیلاب کی تباہ کاریاں اتنی بڑے پیمانے پر ہیں کہ کسی بھی حکومت کے لئے ایسی تباہی کو کنٹرول کرنا مشکل ہے۔ متاثرین کی اپنے گھروں میں بحالی حکومت کی بنیادی ترجیح ہے۔ انہوں نے کہا کہ ملک کے اندر بینظیر انکم سپورٹ پروگرام کے ذریعے متاثرین کی سب سے پہلے امداد کی گئی، وزیراعظم میاں شہباز شریف نے سیلاب سے متاثرین کو فی خاندان 25 ہزار روپے دینے کا اعلان کیا جس کا آغاز 19 اگست کو بلوچستان صوبے سے کیا گیا اور بعد میں سندھ، کے پی کے اور پنجاب صوبوں میں بینظیر انکم سپورٹ پروگرام کے ذریعے متاثرین میں امدادی رقم تقسیم کی گئی اور اب تک 25.49 ارب روپے دس لاکھ 21 ہزار سے زائد خاندانوں میں تقسیم کیے جاچکے ہیں۔ حالیہ بارشوں اور سیلاب سے صوبہ بلوچستان کے 30 صوبہ سندھ کے 25، جنوبی پنجاب کے 3 اور کے پی کے مختلف اضلاع شدید متاثر ہوئے ہیں وہاں پر وفاقی حکومت صوبائی حکومت سے مل کر متاثرین کی مدد اور ریلیف فراہم کررہی ہے۔ سیلاب سے متاثرہ بلوچستان کی صورتحال تشویشناک ہے، سندھ کے اندر بھی کے این شاہ، میہڑ، قمبر شہداد کوٹ و دیگر علاقے شدید متاثر ہوئے ہیں۔ سیلاب کے بعد ان علاقوں اور افراد کی بحالی کا مرحلہ ہے جو کہ بہت بڑا چیلنج ہے۔ ان علاقوں میں آج تک سیلاب کا پانی کھڑا ہے جس سے ملیریا، جلد کی بیماریاں اور مال مویشی بھی مررہے ہیں۔ ہمیں مستقل میں موسمیاتی تبدیلی کے نتیجے میں آنے والے تباہ

کاریوں پر تیاری کرنی پڑیں گی اسکے لئے بڑے پیمانے پر پیسہ اور وسائل درکار ہوں گے جس کے لئے ہمیں عالمی اداروں کو پاکستان میں سرمایہ کاری پر رجوع کرنا پڑیگا۔

سیلاب سے متاثرین کو بینظیر انکم سپورٹ پروگرام کے ذریعے دی جانے والے 25 ہزار روپے کی امدادی رقم سے ناجائز کٹوتی ہرگز برداشت نہیں کی جائیں گی اور اس پر شروع سے زیرو ٹالرنس پالیسی اختیار کی گئی ہے۔ ہم نے متاثرین میں تقسیم کیے جانے والی رقم میں سے کٹوتی کی شکایات موصول ہونے پر سخت ایکشن لیتےہوئے ملوث افراد کے خلاف مقدمے درج کروائے ہیں۔ امدادی رقم سے کٹوتی کی شکایات پر صوبہ سندھ میں کل 48 ایف آئی آرز درج کروائی گئی ہیں اور کافی تعداد میں ملوث افراد کو گرفتار بھی کیا گیا ہے۔ چونکہ رقم کی تقسیم بائیومیٹرک سسٹم کے تحت کی جاتی ہے اس میں سائبر کرائم کا بھی خدشہ ہوتا ہے اس لئے ہم نے ایف آئی اے سے مدد لی اور 10-8 اس قسم کی شکایات موصول ہونے پر ہم نے ایف آئی اے کی مدد سے ناجائز کٹوتی کرنے والے افراد کو گرفتار کروایا ہے اور ان سے امدادی رقم کی ریکوری بھی کروائے ہے۔

سوال:۔ بینظیر انکم سپورٹ پروگرام کی شفافیت کے معاملے پر کافی سوال اٹھائے جاتے ہیں، ماضی میں بھی شکایات رہی ہیں کیا یہ سچ ہے یا متنازع بنانے کی کوشش ہے۔

شازیہ عطا مری:۔ پی ٹی آئی ایک ٹرولنگ کی جماعت ہے جو صرف رولنگ کرتی ہے جس کو خدا اور رسول کا خوف نہیں ہے لگتا ہے جس کو یہ نظر نہیں آرہا کہ سیلاب سے پاکستان کی کتنی تباہی ہوئی ہے جس کو یہ نظر نہیں آرہا کہ سکھر میں ٹینٹ لگا کر دو پلیٹ بریانی کی رکھ کر تصویریں کھینچے جانے سے سیلاب زدگان کی مدد نہیں ہوتی اگر انکو ٹرولنگ کرنی ہے تو وہ اس شخص پر کرے جو آئی لیٹر کے حساب سے بکنے کی باتیں کرتا ہے۔ اب اس شخص کی عقل اور ذہانت پر پوری دنیا دنگ ہے۔ آپ اس کی جا کر ٹرولنگ کریں جو جاپان اور جرمنی کا بارڈر ملاتا ہے ،آپ اس کی جا کر ٹرولنگ کریں جو نعوذ باللہ انبیاء ؑ کی تعداد غلط بتاتا ہے تو آپ اس کی جا کر ٹرولنگ کریں مگر ایک اچھا پروگرام جس کے ذریعے تقریباً ساڑھے دس لاکھ فیملیز کو جو اتنی بڑی رقم ملی ہے وہ پہلے کبھی نہیں ہوا اس پروگرام کی تاریخ میں اور میں یہ بھی کہہ رہی ہوں کہ یہ پروگرام 2008 میں شروع ہوا ہے اور پاکستان پیپلز پارٹی نے شروع کیا ہے اور پاکستان کا پروگرام ہے کسی ایک جماعت کا پروگرام نہیں ہے تو اس سے بھی زیادہ آج کی جو پروفارمینس ہے وہ قابل تحسین ہے۔ باقی اس کا تو قبلہ درست نہیں ہے اس کو لوگوں کی فکر نہیں ہے جہاں تک آپ نے کہا کہ یقیناً یہ پروگرام غریب ترین گھرانوں تک پہنچتا ہے اور آج سے کٹوتی کی خبر کوئی نہیں آئی ہے اور جو کہے کہ صرف آج کٹوتی ہوئی ہے وہ سب سے بڑا جھوٹا ہوگا۔ یہ کٹوتی پہلے بھی ہوتی رہی ہے لیکن یہ درست ہے کہ گذشتہ دنوں میں جو کٹوتی ہوئی ہے وہ ڈھکنے کی کوشش کی ہے وہ کیوں ڈھکنے کی کوشش کی ہے

اب شاید ان کی نیت نہ ہو کہ اس کو صحیح کیا جائے ہماری نیت یہ ہے کہ اس کو صحیح کیا جائے ہمارا اس وقت پروگرام یہ تھا کہ جو اچانک فلڈ آ گیا تھا اور ہمارے پاس یہ صرف دو بینک تھے جن کے ساتھ ہمارا یہ ایگریمنٹ تھا اور یہ ایگریمنٹ اگر ہمیں کسی دوسرے بینک کے ساتھ کرنا ہو تو پھر پورا پروسیس فالو کرنا ہوتا ہے اور پیمرا کے رولز فالو کرنے ہوتے ہیں تو وہ لہٰذا ہم نہیں کر سکے، ہماری ایک خواہش ضرور ہے کہ یہ جو پوائنٹ آف سیل ایجنٹس کا جو سلسلہ ہے وہ ہم اس کو ایلیمنیٹ کر دیں کیونکہ جتنا زیادہ اس میں لیرنگ آئے گی اتنے زیادہ خطرات بڑھتے جائیں گے تو ہم اس وقت جا رہے ہیں ایک نئے آپشن کی طرف اور ہم اس پروسیس میں ہیں اور آپ نے جو بات کی ہے کہ ان کے اکاؤنٹ ہوں تو ایک آپشن ہمارے پاس یہ بھی ہے لیکن اسٹیٹ بینک کی طرف سے ہمیں کچھ دشواریاں آ رہی تھی کیوں کہ ہم جو چاہتے ہیں کہ جو بینک اکاؤنٹ کھولے ہر ایک بینیفشری کا وہ ایک ڈیڈیکیٹ بینک اکاؤنٹ ہو اس میں اسٹیٹ بینک کے لئے جو تھوڑا ایشو ہے لیکن ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جس طرح سے ہم چاہ رہے ہیں ہماری کوشش اور جو کمٹمنٹ ہیں ہم جلد ان کے ساتھ سیٹنگ کر لیں گے لیکن آپ درست کہہ رہے ہیں کہ اس طرح کی ڈیلیکشن اور جو کرپشن کی اپروچ ہے اس کو ختم کیا جائے۔

سوال:۔عمران خان موجودہ حکومت کو امپورٹڈ قرار دیتے ہیں انکے بیانات میں بہت زیادہ شدت دکھائی دیتی ہے۔بلاول بھٹو زرداری کے بیرون ممالک کے دوروں سے کیا خارجہ پالیسی میں سود مند ثابت ہوئے ہیں۔

شازیہ عطامری:۔میں صرف افسوس ہی کر سکتی ہوں عمران خان جیسے شخص کے اوپر اور اور میں ان لوگوں کے اوپر بھی افسوس کر سکتی ہوں جو اس شخص کی بات کو مانتے ہیں کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ اس شخص کو تو دماغ کے ڈاکٹر کی ضرورت ہے لیکن جس طریقے سے یہ ان لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے وہ جو اس کی بات سنتے ہیں ان کو بھی دماغ کے ڈاکٹر کی ضرورت ہے ان کو بھی علاج کی ضرورت ہے کیونکہ یہ ایک افسوسناک بات ہے کہ جب پوری دنیا ہمیں سیلاب کے اس تناظر میں ہمیں دیکھ بھی رہی ہے اور اس میں اپنا حصہ بھی ڈال رہی ہے پوری دنیا تو کیا وہ ہمارا مذاق نہیں اڑائیں گے کہ اس طرح کا شخص اقتدار کی بھوک میں پاگل ہو چکا ہے وہ اپنے اداروں پر اپنے ملک کے اندر جو کوششیں ہو رہی ہیں فلڈز کے اندر ان کو ڈس کریڈٹ کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور یہاں پر کوئی پاکستان کا ادارہ نہیں ہے جو کام نہیں کر رہا ہوں اور بارش مور سویلین بھی کام کر رہی ہیں اور آرمی بھی کام کر رہی ہے اور اتنی بڑی تباہی ہے کہ جس کو نہ صرف صوبائی حکومت یا وفاقی حکومت ہینڈل کر سکتی ہے اس کے اندر جتنے بھی ادارے حکومتوں کے متحد ہیں یا ان کے ساتھ ہیں ان کو بڑھ چڑھ کر کام کرنے کی ضرورت ہے میں تو عمران خان کے ان گھٹیا بیانات کی صرف مذمت کر سکتی ہوں۔

ون پوائنٹ تھری ٹریلین کا اعلان ہوا ہے جو ملک کی فلیش اپیل کی تھی، بلاول بھٹو زرداری صاحب نے جو بطور وزیر خارجہ تو اس میں ہمیں اس چیز کی کمٹمنٹ

آئی تھی اور یقیناً عالمی دنیا اور عالمی ادارے ہمارے ساتھ تعاون کر رہے ہیں اور اس میں جو اب تک اپنی کمی کو پورا کر چکا ہے، ہم اس کے شکر گزار ہیں اور اس سے بھی زیادہ ہم امید کر رہے ہیں کہ ہماری مدد ہو گی آپ بھی جانتے ہیں کہ اس وقت یونائیٹڈ نیشنز کی جو اسمبلی چل رہی ہے اور اس میں بلاول بھٹو زرداری صاحب بھی موجود ہیں اور اس میں اور بھی جنرل منسٹرز گئے ہیں اور اس وقت پاکستان کا جو فلڈ کا کیس ہے وہ رکھا جا رہا ہے اور نہ صرف پاکستان کے فلڈ کا کیس رکھا جا رہا ہے اس کو کلائمیٹ چینج کے تناظر میں باقاعدہ اس پر بریفنگ دی جا رہی ہے اور سینسٹرز کیا جا رہا ہے کہ پاکستان نے آج کلائمٹ چینج کا بہت بڑا نقصان اٹھایا ہے۔لہٰذا دنیا کے تمام ممالک اور یونائیٹڈ نیشن سے جڑے ہوئے وہ تمام ممالک جو ہیں ان کو پاکستان کے لیے سوچنا ہو گا تو ہم اپنا کیس وہاں لے کر گئے ہیں

لیکن جو آپ نے کہا کہ دوسرے لوگ ہیں جو اس میں عمران خان صاحب جو سابقہ وزیر اعظم ہیں انہیں آج بھی اپنی کرسی چھن جانے کا غم ہے اور وہ تلے ہوئے ہیں کہ وہ پاکستان میں ہونے والے تمام کاموں کو ڈس کریڈٹ کریں گے اور وہ لوگوں کو غلط تاثر دے اور غلط میسج دے رہے ہیں لیکن یہ شخص جو بھی کر رہا ہے وہ پاکستان کا نقصان ہے کیا اس بات میں حقیقت نہیں ہے کہ پاکستان میں سیلاب آیا ہے ان ایکسپیکٹڈ سیلاب آیا ہے۔ بلوچستان سندھ خیبر پختونخوا اور پنجاب کے جو نشیبی علاقے ہیں وہ ڈوب چکے ہیں کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ 13 14 لاشیں ملی ہیں، کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ گھر ختم ہو چکے ہیں لوگوں کے اگر یہ سب حقیقت ہے تو عمران خان جو جھوٹی باتیں کر رہا ہے تو اسے شرم آنی چاہیے۔

سوال:۔ بینظیر بھٹو شہید بہت بڑا نام تھا اور ہے بینظیر انکم سپورٹ پروگرام غریب مستحق فیملیوں کیلے بہت بڑا پروگرام ہے جو محترمہ نے اپنی زندگی میں ہی شروع کر دیا تھا اس کی شفافیت پر اگر کوئی سوالات اٹھتے ہیں یا خرد برد ہوتی ہے تو بہت بڑا سوالیہ نشان ہے اس ضمن میں کوئی میسج دینا چاہیں؟

شازیہ عطا مری :۔آپ کے ذریعے یہ میسج جانا ضروری ہے کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ڈیلیکشن کر سکتے ہیں وہ چاہے ایک ہزار کی ہو یا دو ہزار کی ہو یہ اس کی بھول ہے جہاں بھی یہ خبر موصول ہو گئی اور ایڈوانس موصول ہو گا ایوڈنس کی بنیاد پر ہم کاروائی کریں گے اس میں ہم زیرو ٹالرینس ہیں اس میں تھوڑی تصحیح کر دوں دس لاکھ اکیس ہزار 537 فیملیز کو ہم آج تک 49-25 ارب تقسیم ہو چکے ہیں ابھی بھی ہماری تقسیم جاری ہے اور یہ آپ کو بتانا ضروری ہے کہ اب ایک میڈیا جو ہے ہمارے لئے ایک بڑی ہیلپ ہوتا ہے اور میڈیا ہمیں ہمیشہ بتاتا ہے کہ یہاں پر یہ مسئلہ ہے اور ہم ہمیشہ میڈیا کے ساتھیوں سے یہ کہتے ہیں کہ وہ صرف ہمیں خبر نہ دے بلکہ ایڈوانس بھی دے کیونکہ آپ کے ایڈوانس دینے سے یہ ہوتا ہے کہ ایک برائی کو روکا جا سکے لیکن الحمدللہ ہمیں یہ بھی بتاتے ہوئے خوشی ہوتی ہے کہ وڈان نو ٹائم کچھ ہی عرصے میں بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام وہ واحد آرگنائزیشن ہے گورنمنٹ کی جس نے اس ایکٹیویٹی کو شروع کیا، بہت بڑے مسائل ہمارے سامنے تھے ہمارے آ رہے تھے جہاں پر کمیونیکیشن کا مسئلہ تھا روڈ پورا ٹوٹا ہوا تھا لوگ کر چکے تھے پانی کی وجہ سے ہائی ویز کے اوپر پانی تھا، انٹرنیٹ ایکٹیویٹی کا ایشو تھا، بینک کے ساتھ کنیکٹیویٹی کا ایشو تھا، ہمارے جو اپنے ایمپلائز ہیں بی آئی پیز کے جو ہمارے کمپلینٹ مونیٹر ہیں ان کے گھروں پر پانی تھا لیکن انہوں نے نہ اپنے مسئلے کو دیکھا نہ اپنے دشواری کو دیکھا جہاں پر ان کو بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کی طرف سے ڈیوٹی سونپی گئی تو وہ میدان میں اترے تو میں ان کو بھی اس موقع پر اپریشیٹ کروں گی کہ انہوں نے بھرپور انداز میں کام کیا۔ ہمارے ادارے کے جو ڈی جی تھے وہ تین تین چار چار گھنٹے بھی ہائی ویز پر پھنسے رہے، جہاں پر پانی کھڑا تھا لیکن پھر بھی وہ ایک ضلع سے دوسرے ضلع جا رہے تھے جہاں پر اس طرح کی تباہی تھی۔

تو میں یہ کہوں گی کہ بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام نے اپنا ہی ریکارڈ توڑا ہے پچھلے چودہ برسوں کا جس تیزی سے وزیر اعظم کے اعلان کے بعد لوگوں تک پچیس ہزار روپے پہنچانے کے عمل کی کوشش کی گئی ہے اور یہ کوشش ہم نے جاری رکھی ہوئی ہے کیوں کہ ہمیں ایک ٹارگیٹ ملا ہوا ہے اور اسٹارگیٹ کے مطابق 2.8 ملین جو لوگ ہیں ان تک پہنچنا ہے اور اس میں مزید بھی اضافہ ہو سکتا ہے کیونکہ وزیر اعظم صاحب کی یہ خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ افیکٹڈ فیملی سطح تک ہم یہ رقم پہنچائیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ سچ ہے کہ ابھی بھی ان حالات میں وہ موجود ہیں ان گراؤنڈ جو لوگوں تک پہنچ رہا ہے ان عورتوں کی ان فیملیز کی تکلیف میں جو مدد ہو سکتی ہے وہ فوری طور پر فراہم کر رہا ہے۔

شراب کا پرمٹ اور اقلیتیں

کوئی بھی مذہب اپنے پیروکاروں کو شراب پینے کی اجازت نہیں دیتا۔

جاوید نذیر

حال ہی میں پنجاب اسمبلی میں پیش آنے والے واقعے نے حکومت اور اقلیتی سیاسی ارکان کے درمیان اقلیتوں کو شراب کی اجازت کے حوالے سے ایک مرتبہ پھر پرانی بحث کو تازہ کر دیا ہے۔

حالیہ واقعے میں حکومتی وزیر راجہ بشارت نے صوبائی اسمبلی میں شراب کی اجازت کو اقلیتوں سے منسوب کرتے ہوئے ریمارکس دیتے ہوئے کہا کہ ''وفاقی حکومت ٹیکس میں شراب کے پیسے کا ٹیکس حرام کے قطرے کی شکل میں شامل کر رہی ہے''۔

اسمبلی میں موجود ن لیگ کے سابق وزیر خلیل طاہر سندھو اور طارق مسیح گل نے راجہ بشارت کو آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے شدید احتجاج کیا اور کہا کہ اب وقت آ چکا ہے اقلیتوں کو شراب کے حصول کی اجازت ختم کی جائے اور اُن کے پرمٹ فوری طور پر منسوخ کیے جائیں۔

اقلیتوں کو شراب کی اجازت اور پرمٹ کے حصول کی بحث نئی نہیں ہے۔ ماضی میں سابق اقلیتی ممبر قومی اسمبلی ایم پی بھنڈارہ کے متعلق بھی اسی طرح کے الفاظ کہے جاتے رہے کہ ان کی رکنیت منسوخ کی جائے، کیونکہ یہ شراب بناتے ہیں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے ایم پی بھنڈارہ نے کہا تھا کہ میں تو مشروب بناتا ہوں اور اگر آپ میری رکنیت ختم کرنے کی بات کرتے ہیں تو پھر اسمبلی میں بیشتر ارکان کی رکنیت ختم کرنا پڑے گی، کیونکہ وہ مشروب اسمبلی کے ارکان کی اکثریت پیتی ہے۔

یہ بحث ایک عرصے سے چلی آ رہی ہے کہ اقلیتوں کو ہی شراب کے حصول کے پرمٹ کیوں دیے جاتے ہیں؟ اقلیتیں سمجھتی ہیں کہ کوئی بھی مذہب اپنے پیروکاروں کو شراب پینے کی اجازت نہیں دیتا اور نہ ہی ان کی مقدس کتابوں میں ایسا لکھا گیا ہے تو پھر اس ضمن میں اقلیتوں کے حوالے سے ایسا فرض کیوں کر لیا گیا ہے؟ اگر آپ مجبوری میں اپنے غیر ملکی سفارت خانوں کو شراب فراہم کرنا چاہتے ہیں تو اسکیلئے کوئی اور طریقہ وضع کریں، اس کو مذہب سے جوڑتے ہوئے ملک میں بسنے والی تمام اقلیتوں کو اس کلنک کے ٹیکے سے بری الذمہ کریں۔ اس حوالے سے چند سال قبل کراچی میں مسیحیوں کی ایک تنظیم کرسچن ایسوسی ایشن نے باقاعدہ طور پر کراچی پریس کلب میں پریس کانفرنس کی اور جلوس بھی نکالا کہ اقلیتوں کے گلے سے بدنامی کے اس طوق کو اتارا جائے۔

اس معاملے پر جب کچھ مذہبی رہنماؤں سے استفسار کیا گیا تو انہوں نے کہا مذہب اس کی اجازت بالکل نہیں دیتا بلکہ وہ تو اس کی شدید مخالفت کرتا ہے اور اس حوالے سے ''کتاب مقدس'' میں سزاؤں کا ذکر بھی موجود ہے۔ لیکن کمیونٹی کے بار بار اصرار پر وہ انہیں اجازت دیتے ہیں کہ شاید اس طرح ان کی غربت دور ہو سکے اور ان کے مالی حالات بہتر ہو سکیں۔ لیکن شاید آج وہ مذہبی رہنما کف افسوس مل رہے ہوں گے کہ ان کی اُس وقت کی اجازت سے کمیونٹی کے بارے میں جو ایک عمومی تاثر بن چکا ہے اس کو دور کرنیکیلئے انہیں خاصی تگ و دو کرنا پڑے گی۔

شراب کے حصول کیلئے اجازت کے حوالے سے واضح کرتا چلوں کہ آپ ملک بھر میں اقلیتی بستیوں، کالونیوں اور سوسائٹیوں کا مشاہدہ کر لیجئے۔ آپ کو سیکڑوں اور ہزاروں کی آبادی میں چند افراد ہی یہ مذموم کام کرتے نظر آئیں گے۔ لیکن ان چند افراد کی وجہ سے پوری بستی اور کالونی کے بارے میں اکثریت نے یہ مفروضہ قائم کر رکھا ہے کہ تمام اقلیت ہی شراب نوش اور شراب فروش ہے، جو کہ ایک غلط خیال ہے۔ اگر کوئی ان بستیوں اور کالونیوں کا مشاہدہ کرے تو وہاں آپ کو ٹیچرز، نرسز، ڈاکٹرز، انجینئر، چھوٹے کاروبار اور محنت مزدوری کرنے والے خاندان نظر آئیں گے، جنہوں نے صرف اور صرف محنت کو ہی اپنا شعار بنایا ہوا ہے لیکن کلنک کا جو ٹیکہ ان چند لوگوں کی وجہ سے اُن پر لگا دیا گیا ہے اس کو اتارنے کیلئے طویل جدوجہد کی ضرورت ہے۔ (باقی صفحہ 28 پر)

کے ایم سی سے زیادہ طاقتور اور کوئی ادارہ نہیں ہے

مرتضی وہاب، ایڈمنسٹریٹر کراچی

کچھ لوگوں نے میونسپل ٹیکس کے سلسلے میں اختلافات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، کے ایم سی میں صرف 14 ہزار ملازمین ہیں

میں نے اپنی مدت کے دوران ایک بھی شخص کو بھرتی نہیں کیا، کوئی ادارہ ٹیکسیشن کے بغیر نہیں چل سکتا

ہمیں سڑک تعمیر کرنے سے پہلے سیوریج سسٹم، ڈرینیج سسٹم اور پانی کی لیکیجز کو ختم کرنا ہوگا

سندھ حکومت پاکستان کا پہلا صوبہ بنا جس نے اپنی کابینہ سے کچرے سے توانائی بنانے کی منظّم پالیسی منظور کروائی

یہ تباہی ان ڈرین سے بڑی ہے، یہ کلائمٹ کرائسس ہے، اسے ہینڈل کرنے کے لئے گلوبل کمیونٹی سے بھی لون لینا ہوگا

بے نظیر اپنی زندگی میں بھی بے نظیر تھی اور اپنی شہادت کے بعد بھی بے نظیر ہے، ہیومن رائٹس پوسٹ کو خصوصی انٹرویو

ملک منور حسین، فوٹو گرافر: دلشاد غوری

صوبائی مشیر قانون ترجمان حکومت سندھ اور ایڈمنسٹریٹر کراچی بیرسٹر مرتضٰی وہاب کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن پر اللہ تعالی کا خاص کرم اور خداداد صلاحیتوں سے مالامال ہوتے ہیں۔ انہوں اپنے کیریئر کے آغاز سے ہی کامیابی کے جھنڈے گاڑنا شروع کر دیئے۔ مرتضٰی وہاب نے ابتدائی تعلیم کراچی سے اور اعلی تعلیم بیرون ملک میں مکمل کرنے کے بعد سیاست کے پرخار میدان میں قدم رکھا دیا، سیاسی تربیت و پرورش انہوں نے اپنی والدہ محترمہ فوزیہ وہاب کی گود سے پائی ہے۔ محترمہ فوزیہ وہاب کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ شہید رانی محترمہ بینظیر بھٹو کی وفادار با اعتماد ساتھیوں اور پیپلز پارٹی کے صف اول کے رہنماؤں میں انکا شمار ہوتا تھا۔ وہ پیپلز پارٹی کی سیکریٹری اطلاعات بھی رہیں۔ گزشتہ چند سال قبل دنیا فانی سے کوچ کر گئے تھیں۔ مرتضٰی وہاب سندھ کابینہ کا حصہ ہیں، آپ مشیر قانون ترجمان حکومت سندھ کے ساتھ ساتھ ایڈمنسٹریٹر کراچی کے منصب پر بھی فائز ہیں۔ دھول مٹی میں آٹے کھنڈرات کا منظر پیش کرتے شہر کراچی میں لانگ ٹرم اور شارٹ ترقیاتی منصوبوں کے ساتھ تعمیر و ترقی اور کراچی کو دوبارہ روشنیوں کا شہر بنانے میں دن رات سرگرداں ہیں گزشتہ دنوں ان سے اپنے قارئین کیلئے انٹرویو کیا جو پیش خدمت ہے۔

سوال: کراچی کی عوام پہلے ہی لاتعداد مسائل کا شکار ہیں جگہ جگہ کچرے کے ڈھیر لگے ہوئے اسے کار آمد بنانے کے لئے سندھ حکومت نے مختلف کمپنیوں سے معاہدے بھی کیے ان پر کیا پیش رفت ہوئی ہے، بنیادی سہولتوں کا فقدان ہے، ٹیکس کے نام پر عوام اور کتنا بوجھ برداشت کرے؟

بیرسٹر مرتضٰی وہاب: کراچی پورٹ ٹرسٹ سے بلدیاتی ٹیکس کی مد میں 23 کروڑ روپے کی وصولی سے بلدیہ عظمٰی کراچی کو مالی طور پر مستحکم ہوگی، یہ رقم شہر کی تعمیر و ترقی پر خرچ کی جائے گی، اس رقم سے پہلے فیز میں ڈاکیارڈ روڈ کی تعمیر شروع کی جارہی ہے، یہ رقم امانت ہے اور اسے کراچی پر ہی خرچ کیا جائے گا، 14 ارب روپے کی لاگت سے آئی سی آئی برج سے وائی جنکشن تک ایلی ویٹڈ ایکسپریس وے کی تعمیر شروع کی جارہی ہے، کوئی ادارہ ٹیکسیشن کے بغیر نہیں چل سکتا، دنیا کے تمام بڑے شہروں میں بلدیاتی ادارے شہریوں سے ٹیکس وصول کرتے ہیں۔

کوئی ادارہ ٹیکسیشن کے بغیر نہیں چل سکتا اور کراچی کی ترقی دراصل کراچی پورٹ ٹرسٹ کی ترقی ہے کیونکہ یہ شہر کا ایک اہم ادارہ ہے، بجلی کے بل میں میونسپلٹی ٹیکس وصول کرنے کے بارے میں بتایا کہ یہ نیا ٹیکس نہیں تھا 2009ء سے وصول کیا جارہا ہے، اس ٹیکس میں اضافے کے بجائے کمی کی گئی ہے، 50 روپے سے لے کر 200 روپے تک کا ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ پہلے انڈسٹریل زونز سے 5 ہزار روپے فی یونٹ وصول کئے جاتے تھے، ماضی میں میونسپل ٹیکس کی مد میں ملنے والا پیسہ افسران اور عملے کی جیبوں میں جاتا تھا۔ تاہم اب کے الیکٹرک اس مد میں جو رقم بلدیہ عظمٰی کراچی کو دیتی وہ چیک کی شکل میں ہوتی اور کے ایم سی کے اکاؤنٹ میں جمع ہوتی جس سے شہر کی صورتحال میں بہتری آتی۔ کے ایم سی سے زیادہ طاقتور اور کوئی ادارہ نہیں ہے، کچھ لوگوں نے میونسپل ٹیکس کے سلسلے میں اختلافات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، کے ایم سی

صرف 14 ہزار ملازمین ہیں اور میں نے اپنی مدت کے دوران ایک بھی شخص کو بھرتی نہیں کیا، جب تک سڑکوں کی ازسرنو تعمیر نہیں ہوگی پائیداری نہیں آسکتی، ہمیں سڑک تعمیر کرنے سے پہلے سیوریج

سسٹم، ڈرینیج سسٹم اور پانی کی لیکیجز کو ختم کرنا ہوگا۔ تب جا کر سڑک پائیدار بنے گی، ہمارا ساتھ دیں کیونکہ یہ ہم سب کا شہر ہے اور ہم سب اس کی بہتری چاہتے ہیں چیئرمین بلاول بھٹو زرداری کا وژن ہے، شہر کی صفائی اور ترقی اسی وژن کو لے کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہم سندھ سالڈ ویسٹ مینجمنٹ بورڈ اور اینگرو ازجی کے اس اقدام کو سراہتے ہیں کہ انہوں نے کچرے کا ایک پائیدار حل تلاش کرنے کے لئے سندھ حکومت کے اقدامات میں شامل ہوئے۔ آر ڈی ایف پر کام پچھلے سال شروع کیا تھا ہم نے بھی کچرے سے بجلی پیدا کرنے کی معاہدے سائن کئے ہیں یہ شہر کلین اینڈ گرین کرنے کی جانب اقدامات کا حصہ ہیں۔ ہم اور ایسے دیگر پروجیکٹ پر بھی کام کر رہے ہیں تا کہ کچرے کو ری سائیکل کر کے اس کا بہتر استعمال یقینی بنایا جا سکے۔ سندھ حکومت پاکستان کا پہلا صوبہ بنا جس نے اپنی کابینہ سے کچرے سے توانائی بنانے کی منظم پالیسی منظور کروائی۔ پالیسی کے تحت کچرے کو ری سائیکل کر کے توانائی اور آر ڈی ایف بنایا جا سکے گا۔ اس مقصد میں نجی اداروں نے بھی اپنا کردار ادا کیا ہے۔ ہم ماحول دوست توانائی کے منصوبے کو نافذ اور اسے فروغ دینے کے منتظر ہیں جو کہ آنے والی نسلوں کے لئے روشن اور پائیدار مستقبل کی ضمانت ہوگا۔

سوال۔ کلائمیٹ چینج، بارشوں اور سیلاب بعد اسپرے نہ ہونے کے باعث عوام مختلف بیماریوں کا شکار ہو رہے ہیں ملیریا اور ڈینگی جیسی وبا پھیل چکی ہے، لوگ بہت پریشان ہیں، بلدیہ عظمیٰ کراچی اور سندھ حکومت اس روک تھام کیلئے کیا اقدامات اٹھا رہی ہے؟

بیرسٹر مرتضیٰ وہاب: اپنے ضلع کے تمام ڈپٹی کمشنرز کو باقاعدہ ایک ٹریڈیشنل اماؤنٹ بھی دیا کہ اگر آپ کے پاس اسپرے ہیں تو بھی آپ اور اسپرے خریدوں اور آپ انشور کریں کہ ہر یوسی کے اندر اسپرے ہو اور لوگوں کو مچھروں سے بچایا جائے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ موسمیاتی تبدیلی کی وجہ سے تباہی جو ہے وہ بڑھتی چلی جا رہی ہے جو تباہی بڑھ رہی ہے اس کا تو ہم نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا مگر آپ یہ کہیں گے کہ پچھلے برس سو ملی میٹر بارش پڑی تھی تو اس بار سو دو سو یا چار سو نہیں بلکہ سات سو اسی ملی میٹر یہ اتنی بارش کو جھیلنے کی بات کی جا رہی ہے تو آپ کیا کریں گے، آپ یکا یک سندھ کو اونچائی پر تو کھڑا نہیں کر سکتے ہاں یہ ضرور ہے کہ چھوٹا موٹا کوئی طریقہ بہت بڑا طریقہ زمینی حقائق کی بیس پر نکالا جاتا ہے لیکن کہیں بہتری لانے کی ضرورت ہے تو وہاں پر بہتر کام بھی ہوئے ہیں۔ آپ دیکھیں کہ بلوچستان میں تو پل بھی چلے گئے وہاں تو سڑکیں نظر نہیں آ رہی وہاں تو ڈیم ٹوٹ گئے۔ جس طرح سے پانی کا ریلا آیا جس طریقے سے بارش ہوئی مسلسل تو اس کے سامنے آپ کچھ بھی کھڑا کر دے کچھ بھی بنا لیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس تباہی کو برداشت کرنے کے لیے تب بھی ہماری کیپیسٹی نہیں ہوگی لیکن اس کے حوالے سے یقیناً جو حکومت ذمہ دار ہے وہ تو خود بھی چاہتی ہے کہ وہ اپنا کنسرن جو ذمہ دار ہے اس کو عملی طور پر پورا کریں۔ بارشوں کی جو اسسٹیٹ آ رہی ہے اس کے بعد کیوں کہ چیف منسٹر سندھ آئے ہیں مختلف اضلاع میں ہمارے بھی ضلعے میں آئے تھے جہاں پر ہم نے ان کو آگاہ کیا تھا اور یہ تباہی ان ڈرین سے بڑی ہے تو ہمیں دنیا کی مدد چاہیے، یہ کلائمٹ کرائسس ہے، اسے ہینڈل کرنے کے لئے گلوبل کمیونٹی سے بھی لون لینا ہوگا۔

نوشہرو فیروز میں ایک چھوٹی سی تحصیل ہے، جہاں پر ستر ہ سو پچاس ملی میٹر بارش ہوئی ہے، ایک جگہ پہ اور ساڑھے سات سو ملی میٹر 24 گھنٹے میں ہوئی ہے، کراچی شہر میں گیارہ سو پچاس ملی میٹر بارش ہوئی، لاڑکانہ میں ہزار ملی میٹر بارش ہوئی، پاکستان کے ٹاپ ٹین شہروں کو آئیڈنٹی فائی کریں تو ان دس میں سے آٹھ شہر صوبہ سندھ کے ہیں۔ نواں شہر مری ہے اور دسواں شہر شاید بلوچستان کا کوئی ہو آپ سوچیں کہ اس طرح کی بارش ہوئی جو کراچی میں ہم 2020 میں فیس کر چکے تھے تو ہم نے کچھ پیش بندی کی تھی، یہاں پر جس کا فائدہ ہوا کہ کراچی بند نہیں ہوا اب کی بار بارشوں میں آپ کی میجر شاہراہ سڑکیں کھلی ہوئی تھیں، اپوزیشن والے چاہے کچھ بھی کہیں لیکن آپ کا شہر فنکشنل رہا، ہم نے 2010 11- میں جو ریور فلڈ آیا تھا تو ہم نے اپنے بندوں کے اوپر کام کیا تھا تو اس کا فائدہ ہمیں یہ ہوا کہ اب کی بار ہمیں دریا سے نقصان نہیں ہوا لیکن کسی نے یہ اندازہ نہیں کیا تھا کہ بیسیوں گنا زیادہ بارش اب کی بار ہو جائے گی اور دادو، سیہون، کشمور میں بلوچستان سے پانی آیا تو اس کی تیاری نہیں کی جا سکتی تھی اور ہمیں بحیثیت ذمہ دار اس قوم کے ذمہ داری سے اس صورتحال کو سمجھتے ہوئے مستقبل کی پیش بندی کرنی چاہیے اور اس پر تنقید یا کوئی پوائنٹ کسی جماعت کو نہیں کرنا چاہیے۔ یہ انسانیت کا مسئلہ ہے لوگوں کا مسئلہ ہے اور ہم سب کو اس پر مل کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ضلع انتظامیہ کے تحت اور کچھ چیزیں پاکستان آرمی کے ذریعے ڈسٹری بیوٹ ہو رہی ہیں لیکن جو بھی امداد دوسرے ممالک سے آ رہی ہے وہ پاکستان کی عوام کو مل رہی ہے، کچھ امداد ہمیں مل رہی ہے اور کچھ آرمی کو مل رہی ہے تو سارے ادارے مل کریں، میں نے آپ کو ایک نمبر کا حوالہ دیا تھا وہ ٹوٹل فیگر تھا جو 2023 کا ٹین بائی ٹین جس کے اندر سندھ حکومت پی ٹی این اے، این ڈی ایم اے پاک فوج نیوی ایئر فورس جس میں سب نے مل کر کام کیا ہے لیکن جو فیوچرز کے آرڈرز میں نے آپ کو بتائی ہیں وہ تقریباً نو لاکھ 45 ہزار سندھ حکومت نے اپنے آرڈرز پلیس کیے ہیں۔

سوال: سیلاب متاثرین کی بحالی کے لئے بیرونی امدادار بوں روپے میں ملی ہے، لوگ آج بھی بے یارومددگار کھلے آسمان تلے ہیں، وفاقی و سندھ حکومت نے اب تک کیا اقدامات اور امداد پہنچا رہی ہے؟

بیرسٹر مرتضیٰ وہاب: وفاقی حکومت نے بالخصوص بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کے حوالے سے میں صرف اتنا کہنا چاہوں گا بے نظیر اپنی زندگی میں بھی بے نظیر تھی اور اپنی شہادت کے بعد بھی بے نظیر ہے آج بھی بی بی شہید کے نام سے لوگوں کی خدمت

> سندھ حکومت پاکستان کا پہلا صوبہ بنا جس نے اپنی کابینہ سے کچرے سے توانائی بنانے کی منظم پالیسی منظور کروائی۔ پالیسی کے تحت کچرے کو ری سائیکل کر کے توانائی اور آر ڈی ایف بنایا جا سکے گا۔ اس مقصد میں نجی اداروں نے بھی اپنا کردار ادا کیا ہے۔ ہم ماحول دوست توانائی کے منصوبے کو نافذ اور اسے فروغ دینے کے منتظر ہیں جو کہ آنے والی نسلوں کے لئے روشن اور پائیدار مستقبل کی ضمانت ہوگا۔

کی جارہی ہے اور میں سندھ کی عوام کی جانب سے میں وفاقی حکومت کا شکرگزار ہوں، بلاول صاحب کا زرداری صاحب کا، آپ کو یاد ہوگا کہ 2020 کے فلڈ میں بے نظیر انکم سپورٹ کے دروازے الٹا فلڈ ایفیکٹ کے لئے نہیں کھولے گئے تھے، فرق اس بار یہ ہے عوام دوست حکومت وفاق میں موجود ہے جس نے دروازے عوام کے لئے کھولے اور 25 ہزار ارب روپے عوام کو دیے جا چکے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ ہر گھر وہ اماؤنٹ لے کر جائیں گے جس کی وجہ سے میں وفاقی حکومت کا شکرگزار ہوں۔ وزیر خارجہ کا اور شازیہ مری صاحبہ کا

میں صوبہ سندھ کے ریلیف کا کام ابھی تک جو ہوا ہے اس کی کچھ تفصیلات آپ تک شیئر کرنا چاہوں گا۔ صوبہ سندھ کے اندر سندھ حکومت ٹریک لی پی ڈی ایم اے کے ذریعے اور اپنے ڈسٹرکشن کے ذریعے کام کر رہی ہے۔ وفاقی حکومت این ڈی ایم اے کے ذریعے کام کر رہی ہے، اس کے ساتھ ساتھ پاک فوج ہو پاکستان نیوی ہو، پاکستان ایئر فورس ہو اور کچھ ہمارے فلاحی ادارے ہوں، یہ سندھ مختلف علاقوں میں اپنا کام کر رہے ہیں۔ کچھ تفصیلات میں آپ کے ساتھ شیئر کرنا چاہوں گا۔ ابھی تک صوبہ سندھ میں دو لاکھ 63 ہزار 570 ٹینٹ ہم تقسیم کر چکے ہیں یہ آج تک کی فیگر ہے اور چونکہ متاثرہ افراد کا نمبر بہت زیادہ ہے مزید 9 لاکھ 61 ہزار ٹینٹ کا آرڈر سندھ حکومت مینجمنٹ ڈیزاسٹر اتھارٹی چار ہزار آرڈر کا پلیس کیا جا چکا ہے

وزیر اعلیٰ سندھ نے سندھ حکومت نے اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے ابھی سے اس کی اسٹریٹجی بنانا شروع کر دی ہے اور سردیوں کے لیے یہ جو میں نے ٹینٹ آپ کو بتائے تھے نو لاکھ 61 ہزار ہم اور

دو بڑی بیماریاں جس کے بارے میں بات کی جارہی ہے تو اس کے بارے میں آپ سے تھوڑی سی بات کرنا چاہتا ہوں پہلی ہے ملیریا اور ملیریا کے حوالے سے میں آپ کو نمبر دینا چاہوں گا کہ ابھی تک یہ جو سیلاب کا سلسلہ شروع ہوا ہے جو ملیریا کے کیسز رپورٹ ہوئے ہیں جو کنفرم کیسیز ہیں وہ ایک لاکھ اڑتالیس ہزار پانچ سو اناسی ہیں لیکن اچھی خبر جو ہے کہ ابھی تک ملیریا سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا، ادویات ان کو فراہم کی جارہی ہیں ملیریا کے حوالے سے اور ڈینگی ایک خطرہ ہے، لوگوں کے لئے اور کراچی شہر کے اوپر زیادہ فوکس کیا جاتا ہے

اور پانچ لاکھ آرڈر کا اگلے دو دنوں میں مزید تیز کیا جائے گا۔ ترپال تقریباً تئیس ہزار دو سو اٹھاسی سندھ میں تقسیم کی گئی ہیں اور مزید چار ہزار ترپالوں کا آرڈر ہماری پی ڈی ایم اے سندھ حکومت نے پلیس کر دیا ہے اور مچھر دانیاں 21 لاکھ 894 تقسیم کی جا چکی ہیں۔ صوبہ سندھ کے مختلف اضلاع میں اور اس کے علاوہ پانچ لاکھ 45 ہزار موسکیٹو نیٹ کا آرڈر سندھ حکومت پلیس کر چکی ہے اور تیالیس لاکھ مچھر دانیوں کا آرڈر ہم پلیس کرنے جا رہے ہیں، اسی طریقے سے راشن ہم نے چھ لاکھ 68 ہزار تین سو ستائیس راشن کے بیگ سندھ کے

صوبہ سندھ کے مختلف اضلاع میں اور اس کے علاوہ پانچ لاکھ 45 ہزار موسکیٹو نیٹ کا آرڈر سندھ حکومت پلیس کر چکی ہے اور تیالیس لاکھ مچھر دانیوں کا آرڈر ہم پلیس کرنے جا رہے ہیں، اسی طریقے سے راشن ہم نے چھ لاکھ 68 ہزار تین سو ستائیس راشن کے بیگ سندھ کے مختلف اضلاع میں پی ٹی ایم کے ذریعے ڈسٹری بیوٹ کیے گئے ہیں اور مزید بیس لاکھ راشن کا آرڈر سندھ حکومت پلیس کرنے جا رہی ہے۔

مختلف اضلاع میں پی ٹی ایم کے ذریعے ڈسٹری بیوٹ کیے گئے ہیں اور مزید بیس لاکھ راشن کا آرڈر سندھ حکومت پلیس کرنے جا رہی ہے۔ 15 لاکھ کا آرڈر ہم نے پلیس کر دیا ہے اور مزید پانچ لاکھ بیگ کا آرڈر ہم نے اگلے تین روز میں آرڈر پلیس کر دیا جائے گا۔ ڈرنکنگ پانی کے لیے مختلف اضلاع میں ہم نے اپنے آر او پلانٹ اسٹیبلش کر دیئے ہیں کیونکہ موبائل آر او پلانٹ ہیں اس کے علاوہ پانی کی جو بوتل ہوتی ہے اس کو بھی ہم آخر اسی کے ساتھ تقسیم کر رہے ہیں، سات لاکھ 34 ہزار 726 پانی کہ جو بڑے کین ہیں وہ بھی ہم نے ڈسٹری بیوٹ کیے ہیں، ابھی تک گرمیاں چل رہی ہیں لیکن سندھ حکومت آگے کی سچویشن دیکھ رہی ہے یہ جو تکلیف دہ مرحلہ ہے یہ آگے جاری رہے گا اور آئندہ کچھ ہفتوں میں سردیوں کا سیزن آجائے گا۔

اسٹاف ہے جس کو تعینات کیا گیا ہے ان پرمنٹ اور ٹیمپریری میڈیکل کیمپس میں اور کوئی بھی مریض آتا ہے، خاتون آتی ہے، بچہ آتا ہے، بزرگ آتا ہے اس کو لک آفٹر کیا جائے اور پروفیشنل اسٹاف

سیکیور کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ ہم نے 81 لاکھ بلینک کیٹس بھی خریدنے کا فیصلہ کیا ہے اور ہم نے اس کی ڈسٹرکٹ وائس پالیسی بنائی ہے کہ کس گاؤں کے کتنے متاثرہ لوگ ہیں یا جتنے متاثرہ خاندان ہیں ہم نے اس کو ملٹی پلائی کر کے ہم یہاں کی 81 لاکھ کے نمبر پر پہنچے ہیں اور ہم نے یہ آرڈر پلیس بھی کر دیا ہے تاکہ نومبر کے آخر میں دسمبر میں

جب سردیوں کا سیزن شروع ہوگا تو لوگوں کے پاس ٹینٹ کے ساتھ ساتھ بلینک کیٹ بھی موجود ہو اس ریلیف کے کام کے ساتھ ساتھ جو کہ اتنے بڑے پورشن کا تباہ کاری تھی جس میں ہیلتھ کے مسائل نے جنم لیا ہے جس کو کنٹرول کرنے کے لیے سندھ حکومت کا ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ متحرک انداز میں کام کر رہا ہے۔ ہر ضلع کے اندر ہماری ٹیم موجود ہے میں تمام دوستوں کو بتانا چاہوں گا سندھ کے 24 اضلاع ٹوٹل 30 اضلاع ہیں سندھ کے جس میں 24 سیلاب سے متاثرہ ہیں اس وقت اس میں 436 ہیلتھ کیمپ لگائے گئے ہیں جس میں کچھ فارمیٹ ہیلتھ کیمپ ہے اور کچھ موبائل کیمپ جو چلتے ہیں اسی طرح 1720 ڈاکٹرز ہیں اور پیرا میڈیکل

موجود ہوتا کہ ان کی جو بھی بیماری ہے جو بھی تکلیف ہے اس کو صحیح طریقے سے ڈائیگنوز کیا جا سکے۔ ادویات کا مسئلہ تھا، یہ اشو ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ نے وزیر اعلیٰ کے سامنے ریز کیا، تاریخی طور پر حکومت میں ایک کوارٹر کریری ہوتی ہے سندھ حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ سال بھر کی آپ کی جو آئی لو یو کیشن ہے اس کو وانگوں میں دے دیا جائے ہیلتھ

ڈیپارٹمنٹ کو تاکہ سال بھر کا ایک ساتھ خرید لیں تاکہ ان کو پرکیورمنٹ کے مسائل نہ ہوں ادویات وافر مقدار میں آپ کے میڈیکل کیمپ میں ریلیف کیمپ میں موجود ہوں، اس کے ساتھ ساتھ دو بڑی بیماریاں جس کے بارے میں بات کی جارہی ہے تو اس کے بارے میں آپ سے تھوڑی سی بات کرنا چاہتا ہوں پہلی ہے ملیریا اور ملیریا کے حوالے سے میں آپ کو نمبر دینا چاہوں گا کہ ابھی تک یہ جو سیلاب کا سلسلہ شروع ہوا ہے جو ملیریا کے کیسز رپورٹ ہوئے ہیں جو کنفرم کیسیز ہیں وہ ایک لاکھ اڑتالیس ہزار پانچ سو اناسی ہیں لیکن اچھی خبر جو ہے کہ ابھی تک ملیریا سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا، ادویات ان کو فراہم کی جارہی ہیں ملیریا کے

حوالے سے اور ڈینگی ایک خطرہ ہے، لوگوں کے لئے اور کراچی شہر کے اوپر زیادہ فوکس کیا جاتا ہے میں یہ بتانا چاہوں گا کہ ڈینگی کا مسئلہ صرف صوبہ سندھ یا کراچی شہر میں نہیں ہے، ڈینگی کا مسئلہ پاکستان کے ہر بڑے شہر میں ہے اسلام آباد میں بھی لاہور میں بھی رپورٹ ہوئے ہیں اور جو کراچی شہر ہے اس کے لیے سندھ حکومت ہو یا ہمارے ادارے یا ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ ہوں سب مل کر کام کر رہے ہیں کہ کس طرح اس چیز کو ہینڈل کیا جائے۔ دو تین چیزیں ہیں جس کے لئے میں آپ کی مدد چاہوں گا ایک تو ڈینگی کے روک تھام کے لیے آپ کو فیومیگیشن کرنی ہوگی جو کہ آپ بالکل ذکر کرتے ہیں جس کو حکومت اور انتظامیہ کر رہی ہے اس کے ساتھ ساتھ آپ کے گھروں میں آپ کی مساجد میں جہاں جہاں پانی کے فرش کنستر پڑے ہوئے ہیں جہاں پر پانی موجود ہے وہاں پر ڈینگی کا مچھر آسکتا ہے تو جہاں حکومت پبلک پلیس کے اوپر یہ فیومیگیشن کر رہی ہے، میں شہریوں سے یہ گزارش کروں گا کہ وہ اپنے پرائیویٹ پلیس میں دکانوں میں گھروں میں مساجد میں یہ میں انشور کریں کہ پانی کے کنستر اس طرح سے نہ پڑے ہو تاکہ جو مچھروں کی بریڈنگ کا استعمال بنتے اس کی ہم روک تھام کر سکیں، گراؤنڈ ریالٹی میں آپ کو بتانا چاہوں گا 15 ستمبر کو پیک آیا تھا، ڈینگی کے کیسز کا صوبہ سندھ کے اندر اور پورے صوبے میں 15 ستمبر کو 426 نئے ڈینگی کے کنفرم کیسز سامنے آئے تھے پھر ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ ہو کے ڈی اے ہو کے ایم سی ہو سب نے مل کر کام کیا تو نتیجہ یہ ہے کہ پچھلے چوبیس گھنٹے میں 221 نئے کیسز رپورٹ ہوئے ہیں۔ یعنی کے 426 کا وہ جو نمبر تھا وہ اب گرنا شروع ہو گیا ہے اور وہ فطری پرسنٹ کے اوپر آگیا ہے اور پچھلے چوبیس گھنٹوں میں یہ نمبر کے 221 کنفرم کیس کے اوپر آیا ہے۔ اس میں شاید اس کے اندر حل کا نمبر کی تبدیلی ہو سکتی ہے، کچھ پرائیویٹ لیبارٹریز ہیں کے کچھ کیسز شاید ہمارے پاس رپورٹ نہ ہوئے ہوں لیکن تمام سرکاری اسپتال اور پرائیویٹ اسپتال کی لیبارٹری کا ڈیٹا ہمارے پاس ڈیلی بیس کے اوپر آرہا ہے اور اور اس کے تحت 221 کیسز ہیں، ڈینگی کے جو کہ رپورٹ ہوئے ہیں میں بتانا چاہوں گا کے 27 اموات کل ہوئی ہیں اور یہ 27 کی 27 اموات کراچی کی ہیں ،اندرون سندھ کے کسی ضلع کے اندر کوئی جانی نقصان نہیں ہوا، ان ستائیس سے جو سب سے بڑا الفنکس ہے کہ کیسی اسکاوٹ ڈسٹرکٹ ایسٹ میں ہے، اس وقت جو موجودہ نمبر ہمارے پاس آیا ہے اس کے تحت ڈسٹرکٹ ایسٹ کے اندر سینٹی ایٹ پرسنٹ نے نمبر آئے ہیں اور ٹوٹل کے اب تک وہاں پر 745 ہوئے ہیں اور پندرہ اموات ڈسٹرکٹ ایسٹ کے اندر ہوئی ہیں اور ڈسٹرکٹ سینٹرل کے اندر ٹوٹل کیسز 488 کیسز رپورٹ ہوئے ہیں۔ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں 61 نئے کیسز آئے ہیں اور اموات جو ہوئی ہیں وہ ٹوٹل نو کی ہیں اور اسی طریقے سے ضلع کورنگی کے اندر 38 نئے کیسی ہیں جس کے اندر 24 گھنٹے میں 19 نئے کیسز آئے ہیں ،کوئی جانی نقصان نہیں ہوا ڈسٹرکٹ ساؤتھ کے اندر 210 کیسز ابھی تک رپورٹ ہوئے ہیں، 35 اس کے اندر پچھلے چوبیس گھنٹوں میں آئے ہیں اور تین اموات ہوئی ہیں اسی طرح ضلع ملیر کے اندر ستر کیس ٹوٹل رپورٹ ہوئے ہیں، انیس پچھلے چوبیس گھنٹوں میں ہیں اور کوئی جانی نقصان نہیں ہوا اور اسی طرح ڈسٹرکٹ ویسٹ کے اندر اور کیماڑی میں بھی کوئی جانی نقصان نہیں ہوا ڈیلی کی بیسز پر مختلف یونین کمیونٹیز میں مختلف ایریاز کے اندر سندھ بھر کے اندر فیومیگیشن کی جا رہی ہیں کراچی کے لیے بالخصوص کیوں کہ کیسز کا تناسب کراچی میں زیادہ ہے، ڈیلی اٹھائیس سے تیس یونین کمیونٹیز کے اندر بلدیہ عظمیٰ اور سالڈ ویسٹ مینجمنٹ فیومیگیشن کر رہے ہیں اور گلی محلوں کے اندر ہم ہینڈ میڈ ڈیوائسز کو بھیج رہے ہیں تاکہ وہ کونے کھدرے کے اندر بھی جو اس طرح کا پانی ہوتا ہے اس کو بھی ایڈریس کیا جا سکے، لیکن میں شہریوں سے یہ گزارش کروں گا کہ ان کو اپنے گھروں میں اپنے صحن میں اپنی چھتوں پر یہاں پر اگر کوئی پانی کا مرتبان پڑا ہوا ہے کوئی بوتل پڑی ہوئی ہے یا کوئی اوپن کنستر پڑا ہوا ہے اس کا وہ خیال رکھیں اسکو وہ انشور کریں کہ اس میں پانی نہ ہو کیوں کہ اسی پانی سے ڈینگی مچھر کی افزائش ہوتی ہے، بلاتفریق ضلع انتظامیہ نے ایک اسٹریٹجی بنائی ہے کے فوری طور پر اسپرے ہونے کی ضرورت ہے اور مختلف اضلاع کے اندر بھی فیومیگیشن ہو رہی ہے اور ضلعی انتظامیہ سوشل میڈیا کے ذریعے اس کو ہائی لائٹ بھی کر رہی ہے اور کراچی کو جو کہ میں خود مانیٹر کرتا ہوں اور اس کی تفصیلات ڈائریکٹلی میرے پاس ہوتی ہیں اور اس میں کوئی ایشو نہیں ہے کہ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ کسی جگہ پر نہیں ہو رہا تو آپ مجھے اس کی نشاندہی کریں تو انشاء اللہ وہاں پر بھی ہو جائے گا، اسپرے کا جو مسئلہ ہے وہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے کیونکہ اگر آپ چھ بجے کے بعد نکلیں گے تو صرف مچھروں کا حملہ ہوتا ہے جو اس طرح کا وار کرتے ہیں کہ انسان کی سکت نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ جو عام اسپرے ہو رہا تھا وہ ناکافی تھا اور اسی لیے میں نے بھی رجوع کیا سندھ گورنمنٹ سے کہ ہمیں اسپرے کی ضرورت ہے اور چیف منسٹر سندھ کر مہربانی ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں تعاون کی یقین دہانی کرائی ہے۔

☆☆☆

بقیہ: اداریہ کے الیکٹرک

رویہ سوتیلی ماں کا سا ہے۔ اب جیسے کے الیکٹرک کے بل میں بلدیاتی ٹیکس کی وصولی کا یہ حالیہ فیصلہ ہے۔ سندھ حکومت نے کے الیکٹرک کے ساتھ مل کر بلدیاتی ٹیکس وصولی کا جو فیصلہ کیا، کیا اس سے قبل شہر کے زعماء ، ذمہ داران یا نمائندگان میں سے کسی کو اعتماد میں لیا گیا؟ یا اہلیان شہر سے کوئی رائے یا تجاویز لی گئیں؟ پھر پیپلز پارٹی والے دن رات جمہوریت، جمہوریت کا راگ الاپتے ہیں۔ یہ کیسی جمہوریت ہے کہ تین کروڑ کے لگ بھگ آبادی والے دنیا کے ساتویں بڑے شہر کراچی کے رہنے والوں سے بلدیاتی ٹیکس کی وصولی کا اپنی مرضی سے، بالا ہی بالا فیصلہ کر لیا گیا اور اس سلسلے میں شہر کے کسی نمائندے سے کوئی رائے لینا یا کم از کم کے الیکٹرک کے ساتھ ہونے والی میٹنگ میں بلانا بھی گوارا نہ کیا گیا۔ جمہوریت کے نام پر ڈکٹیٹر شپ کی اس سے بدترین مثال اور کوئی ہو نہیں سکتی۔

کراچی والے ایک طویل عرصے سے کے الیکٹرک کے ظلم وستم کا شکار ہیں، کے الیکٹرک نے حالیہ عرصے میں بجلی کے نرخوں میں ظالمانہ حد تک اضافہ کیا ہے اور وزیر اعظم نواز شریف کی جانب سے قبل ازیں 200 یونٹ تک استعمال کرنے والے صارفین کے لئے رعایت کا اعلان محض دھوکہ ثابت ہوا۔ اس کے بعد 300 یونٹ تک استعمال کرنے والوں کے لئے رعایت کی بات سامنے آئی، تاہم تا حال اس رعایت کے نافذ العمل ہونے کا کوئی عملی ثبوت سامنے نہیں آسکا ہے۔ کے الیکٹرک پاکستان میں واقع تمام عوامی اداروں کے مقابلے میں ایک انتہائی طاقتور ادارہ، بلکہ صاف الفاظ میں ایک خطرناک مافیا ہے، جس کا اب تک کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکا ہے۔ کے ای ایس سی کو جب فروخت کیا گیا اور نئے مالکان نے اس کا نام "کے الیکٹرک" رکھا، اس دن سے لے کر تا حال یہ ادارہ اہلیان کراچی کے لئے مستقل ذہنی اذیت کا باعث بنا ہوا ہے اور اب تو ایک ناسور کی شکل اختیار کر چکا ہے، مگر کوئی بھی شخص، ادارہ یا حکومتی عہدے دار اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکا ہے، یہاں تک کہ عدالت عالیہ سندھ میں بھی ایک طویل عرصے سے کے الیکٹرک کے خلاف کیس زیر سماعت ہے، مگر آج تک اس کا فیصلہ سامنے نہیں آسکا ہے۔

کے الیکٹرک کے مالک "ابراج گروپ" کے تانے بانے امریکہ سے ملتے ہیں اور یہ کہانی بھی اکثر وبیشتر لوگوں کی زبان پر آتی رہتی ہے کہ پاکستان کے سابق صدر آصف علی زرداری کی ہمشیرہ فریال تالپور کے الیکٹرک میں شیئر ہولڈر ہیں، لہذا تمام تر ظلم وزیادتی کے باوجود کے الیکٹرک کے کسی قسم کی کارروائی نہ ہونے کی ایک مضبوط وجہ شاید یہ بھی ہے۔ کے الیکٹرک برس ہا برس سے اپنے بل میں پورے کراچی سے ہر ماہ باقاعدگی سے ٹی وی لائسنس فیس بھی وصول کر رہی ہے۔ اگر شہر کی آبادی کا تخمینہ تین کروڑ لگایا جائے تو ہر بل میں 35 روپے کے حساب سے کتنے کروڑ روپے بنتے ہیں؟ یہ کروڑوں روپے کون لیتا ہے؟ اتنی بڑی رقم ہر ماہ باقاعدگی سے کس کی جیب میں جاتی ہے؟ کبھی اس کا حساب سامنے نہیں آیا۔ اس کے علاوہ ظلم یہ کہ ٹیلی ویژن موجود ہو یا نہ ہو اور بل چاہے گھر کا ہو، مسجد یا مدرسے کا، دودھ یا پرچون کی دکان کا، ان سب سے جبراً ٹی وی فیس کے نام پر کروڑوں کا بھتہ لیا جا رہا ہے، مگر نہ کوئی پوچھنے والا ہے، نہ کوئی روکنے والا، اوپر سے بلدیاتی ٹیکس کا یک طرفہ، من مانا فیصلہ کر کے کراچی والوں کو اور زیادہ تنگ اور مشتعل کیا جا رہا ہے اور اس حوالے سے کوئی حکومتی ذمہ دار کچھ کہنے سننے کے لئے تیار نہیں ہے، بلکہ الٹا کے الیکٹرک کے دفاتر پر رینجرز اور پولیس تعینات کی جا رہی ہے کہ بلدیاتی ٹیکس کی جبری وصولی پر جو لوگ ناراض اور مشتعل ہو کر کے الیکٹرک کے دفاتر کے سامنے کچرا پھینک رہے ہیں تو انھیں اس سے روکا جائے۔ یعنی سندھ سرکار نے تہیہ کر رکھا ہے کہ ہر عوامی مسئلے میں حماقت، طاقت اور ڈکٹیٹر شپ کا ہی مظاہرہ کرنا ہے، عوام کے جذبات یا تکلیف جائے بھاڑ میں!

آٹھ اکتوبر
تباہی کی عبارت

آزاد کشمیر آٹھ اکتوبر 2005 کا وہ دردناک دِن ہے جہاں کئی بوڑھے اپنی جوان اولاد کی لاشیں اٹھا رہے تھے' کہیں کندھے دینے والوں نے کندھا مانگ لیا' کئی ماؤں کے کلیجے چھلنی ہوئے' کئی بچے سکول تو گئے لیکن واپسی کے لئے مائیں تاحشر ترسیں گی' کئی بستیاں اجڑ گئی' کئی امیدیں ختم ہوئیں' وہ قیامت صغریٰ اپنے ان گنت نقوش چھوڑ گی۔ جہاں بڑی تعداد میں بچے اپنے سکولوں میں ہی دفن ہوگئے وہیں بچ جانے والے ننھے دماغوں پر گہرے نقوش ثبت ہوگئے۔ ایک قیامت تھی جو آ کر گزر گئی تھی۔ لوگ سکتے کی کیفیت میں تھے۔ یقین آتا بھی تو کیسے؟ نہ کبھی دیکھا نہ سنا۔ یوں بھی کبھی ہوتا ہے کہ آن کی آن میں گاؤں کے گاؤں اور بستیوں کی بستیاں خاک ہو جائیں؟ لینڈ سلائیڈنگ کے باعث راستے معدوم ہو چکے تھے۔ میلوں پیدل دشوار راستوں پر سفر کر کے لوگ اپنے آبائی علاقوں تک جا رہے تھے کہ کسی اپنے کو زندہ سلامت دیکھ سکیں۔ خشکی' بیابانوں اور سمندروں میں فساد پھیل گیا لوگوں کے اعمال کی وجہ سے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے بعض اعمال کا بدلہ دیں تاکہ یہ لوگ اللہ کی طرف رجوع کرلیں۔ (سورۃ روم)۔ زلزلے کی حقیقت اور اس کے اسباب کے بارے میں مختلف نظریات ہیں۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ ایک عرصے کے بعد زمین کی پلیٹیں تبدیل ہوتی ہیں۔ جب زمین کی پلیٹیں تبدیل ہوتی ہیں تو اس سے پیدا ہونے والی کشمکش کو زلزلے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔

حدیث کی رو سے زلزلے کی وجہ انسانوں کی بد اعمالیاں اور گناہ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب مال غنیمت دولت سمیٹنے کا ذریعہ بن جائے' امانت کو غنیمت سمجھا جائے اور زکوٰۃ کو بوجھ سمجھا جائے دین کا علم دنیوی مقصد کے تحت حاصل کیا جائے' آدمی اپنی بیوی کی فرمانبرداری کرے اور ماں کی نافرمانی کرے۔ دوست سے قربت بڑھائی جائے اور باپ سے دوری اختیار کی جائے۔ مساجد میں شور وغل بلند ہونے لگے اور معاشرے کا درسر بنے' کسی کے شر سے بچنے کے لیے اس کی عزت کی جائے۔ اداکارائیں اور موسیقی کے آلات عام ہوجائیں۔ شراب سر عام پی جانے لگے۔ اس امت کے بعد والے لوگ پہلے والوں کو برا بھلا کہیں تو پھر انتظار کرو تند و تیز ہواؤں کا' زمین میں زلزلوں کا' زمین میں دھنسے جانے کا' بندر و خنزیر بنائے جانے کا اور آسمان سے پتھر برسنے کا اور یکے بعد دیگرے آنے والی ایسی نشانیوں کا جو تسبیح کی لڑی ٹوٹنے کے بعد تسبیح کے دانوں کے گرنے کی طرح پے در پے آئیں گی۔'' ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنھما فرماتی ہیں: جب شادی شدہ عورتیں بہک جائیں' جب لوگ زنا کو حلال سمجھنے لگیں' شراب پیے اور گانوں کی محفلیں سجنے لگیں تو اللہ تعالیٰ کو آسمان میں غیرت آتی ہے وہ زمین کو حکم دیتا ہے زمین میں زلزلے آنے لگتے ہیں۔

سائنس و ٹیکنالوجی اور جدید ریسرچ میں عبور حاصل کرنا غیر مسلموں کا اثاثہ نہیں بلکہ یہ مسلمانوں کی میراث بھی ہے اور فرض بھی' اسلام کے وہ بنیادی تصورات اور تعلیم جس سے تقریباً ہر مسلمان واقف ہے۔ جدید ریسرچ پر ہی زور دیتے ہیں۔ ہماری کہکشاں گلیکسی وے میں سورج جیسے اربوں ستارے ہیں ان کے اپنے نظام شمسی ہیں۔ سورج سے ہزاروں گنا بڑے ستارے بھی ہماری کہکشاں میں موجود ہیں۔ ہماری کہکشاں سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں گنا بڑی کئی کہکشائیں دریافت ہو چکی ہیں۔ کائنات میں کھربوں میل کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ سب سے پہلے انسان نے اپنی بنیادی ضروریات پر توجہ دی۔ دھاتوں کو اپنے استعمال میں لایا پھر آہستہ آہستہ سائنسی ایجادات کی دنیا میں داخل ہوا اب ہر لمحہ نت نئی ایجادات ہو رہی ہیں، مگر یہ سارا علم وہ ہے کہ جو آدم کو اللہ کا نائب ڈکلیئر کرنے سے پہلے ہی عطا کر دیا گیا تھا۔

جوہری سائنسدانوں نے انتہائی خوفناک اور شدت کے ساتھ زلزلے کے خدشے کا اظہار کیا ہے۔ یہ اس قدر خطرناک ہوگا کہ براعظموں کو جدا کر دیگا اور اس سے کروڑوں لوگ ہلاک ہوجائیں گے۔ شمالی اور جنوبی امریکہ کے براعظم ٹوٹ کے الگ ہوجائیں گے۔ میگا سونامی کے ٹکرانے سے امریکہ اور ایشیا میں تقریبا 4 کروڑ افراد ہلاک ہوسکتے ہیں۔ یونیورسٹی آف لندن میں جوہری انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرنے والے ایک ڈاکٹر نے دعویٰ بھی کیا کہ یہ سونامی اور زلزلہ اس قدر شدید ہوگا کہ صرف امریکہ کے مغربی ساحل پر 2 کروڑ افراد ہلاک ہوسکتے ہیں۔ انہی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے سائنس دانوں نے Svalbard نامی جزیرے میں تمام جینز کو محفوظ کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ ''سوالبارڈ'' نارتھ پول اور ناروے کے بیچ میں واقع ایک ٹھنڈا جزیرہ ہے۔ یہ دُنیا کا سب سے سرد علاقہ ہے۔ اس کا درجہ حرارت ہمیشہ منفی ڈگری سینٹی گریڈ رہتا ہے۔ اس میں ''حفاظتی تہہ خانہ'' بنایا گیا ہے۔ یہ سمندر کی سطح سے 130 میٹر بلند ہے۔ جو کسی بھی سمندری آفت یا سطح سمندر کے بڑھنے کے خطرات سے محفوظ رہے گا۔ اس میں تین والٹس بنائے گئے ہیں جن میں 15 لاکھ بیجوں کے سیمپلز فی والٹ رکھے جاسکتے ہیں۔ مجموعی طور پر 45 لاکھ نمونے رکھے جاسکتے ہیں۔ یہاں کا درجہ حرارت

منفی 18 ڈگری رکھا جائے گا جو کہ ان بیجوں اور جینز کی عرصہ دراز تک حفاظت کے لئے ضروری ہے۔

انسان زلزلے سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرے اچھی بات ہے۔ حکومتیں سیلاب اور زلزلے کے نقصانات کو کم سے کم کرنے کی سر توڑ کوششیں کریں۔ عوام ایسے اقدامات کو کو سر آنکھوں پر، لیکن خدارا! حقائق سے آنکھیں نہ چرائیں۔ من حاصل مسلمان قوم ہمیں اعمال کی اصلاح کرنے چاہیے مگر اس کے برعکس کہا جاتا ہے کہ عمارتیں جتنی مضبوط بنالی جائیں قدرتی آفات ان عمارتوں کو پھر بھی تباہ کرسکتی ہیں۔ سونامی کو جاپان نہیں روک پایا۔ ''تباہ کن ہواؤں'' کو امریکہ قابو نہ کر پایا۔ عمارتیں جتنی زلزلہ پروف بنالی جائیں زلزلے کے خوف اور اس کے نقصانات سے انسان خود کو بچا نہیں پائے گا۔ اسلام آباد، کراچی اور آزاد کشمیر کے کئی علاقوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ فالٹ لائنز کے بالکل اوپر ہیں اور کشمیر کی فالٹ لائن پھر سے ایکٹیو ہو چکی ہے۔ جو کہا جارہا ہے کہ کسی بھی وقت بڑا زلزلہ ہوسکتا ہے۔ ماہر کا کہنا ہے کہ زلزلہ انسان کو نہیں مارتا بلکہ لاپرواہی، غفلت اور عدم توجہی انسانی جانوں کے ضیاع کا سبب بنتی ہیں۔ ایسی فالٹ لائن ریڈ زون پر سات سات منزلہ عمارتیں بنانا، بوسیدہ عمارتیں میں رہائش پذیر ہونا خودکشی کے مترادف ہے۔ اسلام نے جان کی حفاظ کو فرض قرار دیا ہے۔

زلزلے صرف زیر زمین پلیٹوں کے ملنے یا چٹانوں کے کھسکنے کی وجہ سے نہیں آتے بلکہ یہ انسانوں کی بد اعمالیوں کی وجہ سے آتے ہیں اور یہ زلزلے انھیں بداعمالیوں سے باز آنے کے لیے الارم اور وارننگ ہیں؛ لہٰذا یہ بندوں کے حق میں رحمت ہیں کہ اُن کو اِسی دنیا میں اپنی اصلاح کے لیے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔ ہاں زلزلہ آتا ہے اگر وہاں کے لوگ توبہ کرلیں اور بداعمالیوں سے باز آجائیں تو ان کے حق میں بہتر ہے، ورنہ ان کے لئے ہلاکت ہے۔

بقیہ: خواتین کی اکثریت کو کام کی جگہ پر ہراسانی کا مسئلہ درپیش ہے

پرنٹ میڈیا میں بھی کام کرنے والی خواتین کی تعداد پہلے کی نسبت بہتر ہے لیکن ہراسانی کمیٹی کے حوالے سے سوال بہرحال موجود ہے۔ پاکستان کے بہت بڑے انگلش اخبار کے ایڈیٹر پر بھی

ہراسانی کا الزام لگ چکا ہے۔ تو کیا ہماری خواتین ان رویوں سے محفوظ ہیں؟

پاکستان کی وہ انڈسٹری جہاں خواتین آٹے میں نمک کے برابر ہیں، اپنی بقا اور شناخت کی جنگ عرصے سے لڑتی آرہی ہیں۔ ڈیجیٹل میڈیا آنے کے بعد کچھ قوانین پر عمل درآمد پہلے سے بہت بہتر ہوا ہے لیکن ابھی بھی مزید کام کی ضرورت ہے۔

فوزیہ ایک چینل میں نیوز پروڈیوسر کے طور پر کام کرتی ہیں۔ فوزیہ کا کہنا ہے کہ ہمارے ادارے میں کمیٹی کی جگہ ایچ آر کو دی جاتی ہے مگر شکایت، حسرت بن جاتی ہے اور اس پر کوئی کارروائی نہیں ہوتی، بلکہ سب پریشر شکایت کنندہ پر آتا ہے۔ اسی وجہ سے بہت سی لڑکیاں خود نوکری چھوڑ کر چلی جاتی ہیں، کیونکہ ہماری انڈسٹری مرد پرور ہے۔ عموماً مرد حضرات اسے انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں اور شکایت کرنے والی خواتین کیلئے مزید مشکلات پیدا کردیتے ہیں۔

دنیا میں تقریباً 75 فیصد خواتین آن لائن ہراسانی کا سامنا کرتی ہیں، جبکہ 20 فیصد ہراسانی جسمانی صورت میں ہوتی ہے۔ یونیسکو کی اس رپورٹ کے مطابق 49 فیصد خواتین نے ہراسانی بدزبانی کی صورت سہی ہے، جبکہ 25 فیصد کو جسمانی تشدد کا خوف دلوایا گیا۔ بین الاقوامی سطح پر پاکستان صحافیوں کے تحفظ کے حوالے سے 180 ممالک میں 157 نمبر پر ہے۔ سوشل میڈیا کے آنے کے بعد صحافیوں پر آن لائن ہراسانی کے واقعات میں

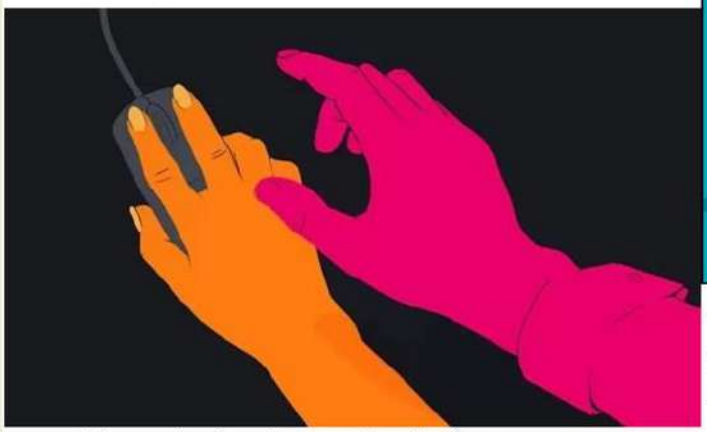

تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ پاکستانی خواتین صحافی اپنے لیے خود آواز بلند کرتے ہوئے بھی ڈرتی ہیں جبکہ ان کا خاندان بھی انہیں چپ رہنے پر مجبور کرتا ہے۔

خواتین صحافیوں کے پاس قانونی مدد بھی میسر نہیں ہوتی۔ ان کا ادارہ بھی اگر ان کا ساتھ نہ دے تب وہ یہی قانونی مدد کسی قانون دان یا کسی بھی اور ادارے سے کیسے لے سکتی ہیں؟ اس حوالے سے بھی بہت سا علم اور معلومات واضح نہیں ہیں۔ پاکستان میں قوانین بن تو جاتے ہیں مگر جب تک ان پر مکمل عمل درآمد نہ ہوسکے تو ان کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ خواتین ہر شعبے میں اپنا لوہا منوا رہی ہیں۔ ایسے میں ان کے تحفظات کو دور کرنا اور ان کو محفوظ ماحول فراہم کرنا حکومت اور اداروں کی مکمل ذمے داری ہے۔

گیس کی قلت

کیپٹو پاور یا عوام؛ اہمیت کس کی ہے؟

رانجہ کامران

گھروں پر کھانا پکانے کیلئے بھی گیس دستیاب نہیں۔ پاکستان میں ایک وقت تھا کہ قدرتی گیس اس قدر وافر دستیاب تھی کہ وہ ماچس کی تیلی سے بھی سستی پڑتی تھی۔ پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جہاں گھریلو استعمال کیلئے قدرتی گیس پائپ لائن کے ذریعے فراہم کی جاتی ہے۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قدرتی گیس کی طلب میں اضافے کے ساتھ ساتھ اس کی فلیڈز سے پیداوار میں کمی کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ دسمبر میں سابقہ وزیر پٹرولیم حماد اظہر کی دی گئی بریفنگ کے مطابق سالانہ مقامی گیس کے ذخائر میں 9 فیصد کی شرح سے کمی ہورہی ہے۔

گیس کی قلت جیسے جیسے بڑھ رہی ہے، ویسے ویسے کراچی شہر میں صنعتوں کے درمیان تنازعہ بڑھتا چلا جارہا ہے۔ شہر کے چھوٹے اور درمیانے درجے کے صنعت کاروں کا کہنا ہے کہ حکومت بعض صنعتوں کو کیپٹو پاور پلانٹس چلانیکیلئے گیس سستے داموں فروخت کررہی ہے، جبکہ انہیں مہنگی گیس مل رہی ہے۔ جس کی وجہ سے ایک جیسی مصنوعات بنانے والی صنعتوں میں سے ایک کو گیس کم قیمت پر فراہم کرنے اور دوسری کو مہنگی بجلی فراہم کرنے کی وجہ سے عدم مسابقت پیدا ہورہی ہے۔

ماضی میں گرڈ کے ذریعے بجلی کی مستحکم اور مستقل فراہمی نہ ہونے کی وجہ سے حکومت نے بڑی صنعتوں کو کیپٹو پاور پلانٹس لگانے کی اجازت دی۔ کیپٹو پاور یونٹس صنعتی اور تجارتی مقاصد کیلئے لگائے گئے چھوٹے بجلی گھر ہوتے ہیں۔ جو کہ اکثر گرڈ سے منسلک نہیں ہوتے۔ دستیاب ڈیٹا کے مطابق سوئی ناردرن اور سوئی سدرن گیس کمپنی نے مجموعی طور پر

1211 کیپٹو پاور یونٹس کو کنکشن دیے ہوئے ہیں۔ اور یومیہ 415 ایم ایم سی ایف ڈی گیس دی جاتی ہے۔ جس میں سے 610 برآمدی یونٹس شامل ہیں، جبکہ 601 غیر برآمدی یونٹس ہیں۔ صرف سوئی سدرن کے نیٹ ورک پر موجود پاور پلانٹس کو 210 ایم ایم سی ایف ڈی گیس 857 روپے کی سبسڈی کے ساتھ فراہم کی جارہی ہے۔

گیس کی قلت کا یہ عالم ہوگیا ہے کہ اب تو گھروں پر بھی کھانا پکانیکیلئے گیس دستیاب نہیں۔ اور مستقبل قریب میں بھی گیس کی کسی بڑی دریافت کے امکانات بھی نظر نہیں آرہے۔ ایسے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ گیس کو اس ذریعے کی جانب منتقل کیا جائے جہاں وہ زیادہ بہتر طریقے سے استعمال ہوسکے۔

کراچی کی چھوٹی اور درمیانے درجے کی صنعتی انجمنوں نے چند ہفتے قبل کراچی پریس کلب میں میڈیا بریفنگ دی، جس میں فیڈرل بی ایریا، بن قاسم، سرجانی، اسٹیل پروڈیوسرز، گاڑیوں کے پرزہ جات بنانے والے، ٹیکسٹائل اور برف کے کارخانوں والوں نے مشترکہ موقف پیش کیا۔ ان صنعت کاروں کا کہنا تھا کہ سوئی سدرن گیس کمپنی کو کیپٹو پاور پلانٹس کے حوالے سے اپنی پالیسی تبدیل کرنا چاہیے کیونکہ وہ بڑے اور پیسے والے صنعت کاروں کو 857 روپے اور 1086 روپے فی ایم ایم بی ٹی یو کی قیمت پر گیس فراہم کررہی ہے۔ جس سے پوری صنعت کو فائدہ پہنچنے کے بجائے چند بااثر افراد کو فائدہ پہنچ رہا ہے، جو کہ اس سستی گیس سے 13 روپے فی کلو واٹ پر بجلی تیار کررہے ہیں اور اس بجلی پر کسی قسم کا ٹیکس بھی عائد نہیں ہوتا۔ جبکہ وہ گرڈ سے بجلی لینے کی وجہ سے مہنگے داموں بجلی کی خریداری کررہے ہیں اور انہیں بجلی کا ایک یونٹ 50 روپے میں پڑ رہا ہے۔ اس طرح امیر صنعت کاروں کو 37 روپے فی یونٹ کی بچت ہورہی ہے۔ اس سستی اور سبسڈی والی بجلی کی وجہ سے بڑے صنعت کاروں کی بنائی گئی مصنوعات سستی ہیں اور عدم مسابقت پیدا ہورہی ہے۔

دوسری جانب ماہرین کا کہنا ہے کہ کیپٹو پاور یونٹس کی پیداواری صلاحیت 30 فیصد یا اس سے کم ہے۔ اور ان سے نکلنے والی ہیٹ یعنی گرمی کو دوبارہ استعمال کرنیکیلئے بھی صنعتوں نے خاطر خواہ کام نہیں

کیا۔ جس سے ایندھن کا درست استعمال بھی نہیں ہورہا۔

کیپٹو پاور یونٹس کو گیس کی سستی فراہمی پر صنعت کاروں کے علاوہ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل بھی میدان میں آ گئی ہے۔ وزیراعظم کو لکھے گئے ایک مکتوب میں ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی چیئرپرسن یاسمین لاری اور وائس جسٹس ریٹائرڈ ناصرہ اقبال نے لکھا ہے کہ حکومت نے گیس کی فراہمی کے حوالے سے 2018 میں ایک پالیسی مرتب کی تھی اور اس بات کا تعین کیا تھا کہ گیس کس ترجیح پر فراہم کی جائے گی۔ اس ترجیحی فہرست میں بجلی کا پیداواری شعبہ دوسرے نمبر پر تھا۔ مگر سوئی سدرن گیس کمپنی نے نہ تو کابینہ سے منظوری لی اور نہ ہی اس نے حکومت سے منظوری لی، بلکہ ازخود ہی کیپٹو پاور پلانٹس کو تیسری ترجیح سے اٹھا کر دوسری بنادیا ہے اور بجلی کے پیداواری یونٹس کو تیسری ترجیح پر ڈال دیا ہے۔ سوئی سدرن گیس کمپنی کے اس اقدام سے کراچی کے شہریوں کو بڑے پیمانے پر مہنگی بجلی فراہم ہورہی ہے۔ کیونکہ سوئی سدرن کے الیکٹرک کو بجلی کی تیاریکیلئے 70 ایم ایم سی ایف ڈی، درآمدی آر ایل این جی گیس فراہم کررہی ہے، جس کی قیمت 4656 روپے فی ایم ایم بی ٹی یو ہے۔ یعنی چند صنعتوں کو گیس 857 روپے اور عوام کی ضروریا تکیلئے گیس 3799 روپے مہنگی مل رہی ہے مکتوب میں کہا گیا ہے کہ اگر حکومت اپنی 2018

کی گیس کی پالیسی پر عملدرآمد کرے تو اس سے کراچی کے شہریوں کو فوری طور پر فائدہ ہوسکتا ہے۔ اور انہیں مہنگی گیس کی وجہ سے جو بھاری ایف سی اے کی مدمین 131 ارب روپے اضافی دینا پڑ رہے ہیں، وہ اس سے بچ سکتے ہیں۔ گھریلو صارفین کو جو بجلی کا یونٹ 35 روپے میں مل رہا ہے، وہ 17 روپے تک آ سکتا ہے۔

ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کا یہ بھی کہنا ہے کہ ایک طرف کراچی کی صنعتوں کو سستی گیس دی جارہی ہے تو دوسری طرف پنجاب کی صنعتوں کو گیس 9 ڈالر ایم ایم بی ٹی یو گیس فراہم کی جارہی ہے جو کہ 1980 روپے ہے۔ جس سے بھی صنعتوں میں عدم مسابقت پیدا ہورہی ہے۔

کیپٹو پاور پلانٹس کو سبسڈی پر گیس فراہم کرنے کے حوالے سے سوئی سدرن گیس کمپنی کی چیئرپرسن اور سابقہ نگران وفاقی وزیر خزانہ سابقہ گورنر اسٹیٹ بینک ڈاکٹر شمشاد اختر بھی تحفظات کا اظہار کرتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ چند صنعتوں کو بھاری سبسڈی پر گیس فراہم کرنے سے ملک میں عدم مسابقت پیدا ہوتی ہے اور صنعتوں میں توانائی کے استعمال میں بچت اور تنوع لانے میں مشکلات کا سامنا ہے۔ جبکہ حکومت کو صنعتوں کیلئے لگائے گئے گرڈز کی غیر استعمال شدہ گنجائش کی ادائیگی بھی کرنا پڑتی ہے۔ ڈاکٹر شمشاد اختر کا کہنا ہے کہ اگر صنعتوں کو متبادل توانائی پر منتقل کرنا ہے تو پھر انہیں کیپٹو پاور یونٹس پر سبسڈی کو ختم کرنا ہوگا اور تمام صنعتوں کو برابری کی سطح پر توانائی فراہمی کا فیصلہ کرنا ہوگا۔ ملک میں اس وقت مہنگائی کی وجہ سے لوگ پریشان ہیں۔ اگر انہیں ریلیف دینیکیلئے مقامی گیس بجلی کے پیداواری یونٹس کو فراہم کی جائے تو یہ مہنگا سودا نہیں ہوگا۔ اس عمل سے نہ صرف شہری بھاری ایف سی اے سے محفوظ رہیں گے بلکہ مہنگی درآمدی ایل این جی کا استعمال بھی کم ہوگا۔ اور سب سے اہم بات صنعتیں متبادل توانائی پر منتقل ہونے کی کوشش بھی کریں گی۔

بقیہ : کوئی بھی مذہب اپنے پیروکاروں کو شراب پینے کی اجازت نہیں دیتا

کسی بھی کام کا انتخاب کرتے ہوئے دیکھا جاتا ہے کہ اس کا فائدہ اور نقصانات کیا ہوں گے؟ اگر کوئی غیر جانبدار ہوکر شراب کے پینے اور بیچنے کے فائدے کی بات کرے تو وہ ایک فائدہ بھی اس کے بارے میں نہ بتا سکے گا۔ لیکن اگر اس کے نقصانات کی بات کی جائے تو ایک لمبی فہرست بنائی جاسکتی ہے۔ یہاں اس بات کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا کہ اکثر لوگ مادی ترقی کو ہی ترقی سمجھ لیتے ہیں، مثال کے طور پر اچھا گھر بنالینا، اچھی سواری کا ہونا، اچھی خوراک، اچھا لباس، بینک بیلنس کا ہونا وغیرہ۔ ان کی اس سوچ سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ زمین پر بسنے والا ہر فرد اسی مادی ترقی کی تلاش میں جستجو کررہا ہے۔ لیکن میرا موقف ہے کہ مادی ترقی کے ساتھ شعوری ترقی بھی ضروری ہے۔ کیونکہ مادی ترقی سے آپ موجودہ دور میں اپنی زندگی کو تو بہتر بنا سکیں گے لیکن اپنے خاندان اور اپنی قوم کو باشعور بنانے میں کوئی کردار ادا نہیں کرسکیں گے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ انسان اپنے خاندان کیلئے آسائشیں ڈھونڈنے کی تلاش میں اچھے اور برے کی تمیز بھول جاتا ہے اور ''شارٹ کٹ'' کے ذریعے وہ تمام آسائشیں حاصل کرنا چاہتا ہے۔ شعوری ترقی کیلئے سب سے اہم تعلیم ہے، جو صحیح معنوں میں فرد کو باشعور اور طاقتور بناسکتی ہے۔ آپ کسی بھی کامیاب اور طاقتور خاندان کو دیکھیں تو آپ میری رائے سے ضرور اتفاق کریں گے کہ ان کی کامیابی اور طاقت کی اصل وجہ تعلیم ہی ہے۔ جبکہ عام مشاہدہ ہے کہ جو اقلیتی افراد شراب نوشی اور شراب فروشی کا کام کرتے ہیں، ان کی اولاد تعلیم حاصل نہیں کرسکی۔ چونکہ وہ خود شراب پیتے اور بیچتے تھے لہٰذا ان کی اولاد نے بھی وہی کام شروع کیے، حتیٰ کہ کچھ خاندانوں کی دوسری اور تیسری نسل بھی یہی کام کررہی ہے۔

شعوری ترقی کیلئے سب سے اہم تعلیم ہے، جو صحیح معنوں میں فرد کو باشعور اور طاقتور بناسکتی ہے۔ آپ کسی بھی کامیاب اور طاقتور خاندان کو دیکھیں تو آپ میری رائے سے ضرور اتفاق کریں گے کہ ان کی کامیابی اور طاقت کی اصل وجہ تعلیم ہی ہے۔ جبکہ عام مشاہدہ ہے کہ جو اقلیتی افراد شراب نوشی اور شراب فروشی کا کام کرتے ہیں، ان کی اولاد تعلیم حاصل نہیں کرسکی

آپ اقلیتی بستیوں میں جاکر دیکھیں تو بہت سے نوجوان آپ کو اس کے دلدادہ نظر آئیں گے اور ہر عید اور شادی بیاہ کی تقریب کو وہ خراب کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ نہ جانے کتنی ہی اموات کی وجہ شراب بنی ہے لیکن عوام ہیں کہ ان کی موت کی وجہ شراب کو نہیں گردانتے بلکہ قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کرلیتے ہیں۔ یہ کام کرنے والوں نے اس کو نہ چھوڑنے کے حوالے سے اپنے دفاع کیلئے مختلف دلیلیں اور تاویلیں گھڑ رکھی ہیں، اس لیے ان کو چھوڑنے پر آمادہ کرنا خاصا مشکل ہے۔ دوسرا یہ کہ زندگی کی عارضی آسائشوں اور محنت سے جی چرانے والوں کو تو قائل کرنے میں بہت زیادہ کاؤنسلنگ کی ضرورت ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ اس ضمن میں ان کا دفاع کرنے والے اُن کے ہم خیال بھی بہت ہیں، جن کی وجہ سے وہ اس کام کو چھوڑنا بھی چاہیں تو چھوڑ نہیں سکتے۔

اُن چند لوگوں کی وجہ سے پوری کمیونٹی کے متعلق یہ مفروضہ قائم کرلیا گیا ہے کہ یہ پوری کمیونٹی یہی کام کرتی ہے۔ ان بستیوں میں بچیوں کی شادیکیلئے دوسرے علاقوں سے رشتے نہیں آتے، ان بستیوں میں کوئی شریف آدمی رہنے کو تیار نہیں ہوتا۔ جو اقلیتیں پوش علاقوں میں رہتی ہیں وہ ان بستیوں سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتیں۔ پولیس جب چاہے ان بستیوں میں دندناتی پھرتی ہے اور کوئی انہیں پوچھنے والا نہیں۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو آپ کو ملک بھر میں اُن بستیوں اور کالونیوں میں نظر آئیں گی جہاں اس طرح کے چند افراد شراب نوشی اور شراب فروشی کا مذموم کام کررہے ہیں۔

ملک کو قائم ہوئے 75 سال ہوچکے ہیں، اس لیے ملک بھر میں اقلیتوں کو اپنا وتیرہ بدلنے کی ضرورت ہے۔ انہیں اپنے اوپر سے اس کلنک کے ٹیکے کو اتارنے کی حتی الوسع کوشش کرنی چاہیے۔ اپنے آپ کو مضبوط اور طاقتور کمیونٹی بنانے کیلئے بچوں کو تعلیم کی طرف راغب کرنے اور انہیں اعلیٰ تعلیم دلانے کیلئے ہر ممکن کوشش کرنی ہے۔

اسکول مافیا بمقابلہ ڈی جی پرائیویٹ اسکولز

جاوید الرحمٰن خان

وطن عزیز میں تعلیم کے شعبے کو کبھی وہ اہمیت نہیں دی گئی کہ جس اہمیت کا یہ شعبہ متقاضی ہے۔ سب سے بڑا ظلم یہ ہوا کہ بیوروکریسی اور اقتدار کے ایوانوں میں موجود مراعات یافتہ طبقے نے متفقہ قومی تعلیمی پالیسی نافذ ہی نہ ہونے دی، اس پر ظلم یہ کہ حکمرانوں نے بھی اس حوالے سے فکر کرنا ضروری نہ سمجھا اور مملکت خداداد کے بچے، مستقبل کے معمار جیسے تیسے پڑھتے رہے اور ان میں سے محدود تعداد کے بچے کسی چھوٹے موٹے عہدے تک بھی پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ پھر مراعات یافتہ طبقے نے اپنے بچوں کو عام آدمی کے بچوں سے الگ کرتے ہوئے پرائیویٹ انگلش میڈیم مہنگے اسکولوں کا سلسلہ شروع کیا، جس میں تیزی سے اضافہ ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر چھوٹے بڑے شہر کے گلی کوچوں میں پرائیویٹ انگلش میڈیم اسکولوں کا جال پھیل گیا۔ ان میں بھی درجہ بندی کی گئی اور امیروں، صاحب ثروت اور مراعات یافتہ طبقے کے بچوں کے لئے جو اسکول کھولے گئے، ان کی فیسیں اتنی زیادہ رکھی گئیں، جن کا ایک عام آدمی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ مہنگے انگلش میڈیم پرائیویٹ اسکول عام آدمی اور غریب و متوسط طبقے کے بچوں کے لئے شجر ممنوعہ قرار پائے۔ پرائیویٹ اسکولوں کی من مانیاں، چیرہ دستیاں اور ناجائز فیس وصولی کا سلسلہ جاری رہا، مگر حکومت کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگی۔ آئین میں اٹھارویں ترمیم سے تعلیم کا شعبہ صوبوں کے حوالے ہونے کے بعد 2015 میں سندھ حکومت کی جانب سے ایک ریگولیٹر ادارے ڈائریکٹریٹ آف انسپکشن، رجسٹریشن پرائیویٹ انسٹی ٹیوشنز، ایجوکیشن اینڈ لٹریسی ڈیپارٹمنٹ کی بنیاد رکھ کر منسوب صدیقی کو اس کا سربراہ بنا دیا گیا، جو 6 مئی 2022 تک تادم ریٹائرمنٹ اس پوسٹ پر براجمان رہے۔ ان کا دور نجی اسکول مالکان کے لئے ایک سنہرا دور تھا۔ منسوب صدیقی کے دور میں قوانین کو گھر کی لونڈی بنا کر والدین سے ناجائز رقوم بٹوری گئیں، تعلیم بیچتے بیچتے کاپیاں، کتابیں، یونیفارم، اسٹیشنری، جوتے، موزے، دوپٹے من مانی قیمتوں پر والدین کو جبری طور پر بیچے گئے۔ منسوب صدیقی کے ریٹائرمنٹ کے بعد پروفیسر سلمان رضا کو ڈی جی مقرر کیا گیا، جنہوں نے 6 مئی 2022 کو اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ پروفیسر سلمان رضا تحریک پاکستان کے سپاہی اور قائداعظم کے قریبی ساتھی راجہ صاحب محمود آباد کے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ایک بااصول، قاعدے قانون کے مطابق کام کرنے والے شریف النفس انسان ہیں۔ انہوں نے ڈی جی پرائیویٹ اسکولز کی ذمہ داریاں ملتے ہی والدین کی بے بسی اور مجبوریوں کو

ڈائریکٹر جنرل ڈائریکٹریٹ آف انسپکشن، رجسٹریشن پرائیویٹ انسٹی ٹیوشنز ایجوکیشن اینڈ لٹریسی ڈیپارٹمنٹ حکومت سندھ پروفیسر سلمان رضا

اسکول مافیا کے سرپرست آل سندھ اسکولز اینڈ کالجز ایسوسی ایشن کے چیئرمین حیدر علی

تعلیم سندھ؟ کہاں ہے عدلیہ؟ کہاں ہیں قانون کا نفاذ کرنے والے ادارے؟ جن کے ہوتے ہوئے تعلیم کے نام پر لوٹ مار کرنے والوں نے سرکاری افسران کو سرکاری آفس میں دھمکیاں دیں؟؟ چیئرمین اسٹوڈینٹس پیرینٹس فیڈریشن آف پاکستان ندیم مرزا نے ارباب اختیار سے مطالبہ کیا کہ سرکاری افسران کو دھمکانے، ویڈیو ریکارڈ کروانے، بلیک میل کرنے اور دھمکیاں دینے کے جرم میں ویڈیو میں موجود تمام افراد پر کار سرکار میں مداخلت پر فوری طور پر ایف آئی آر کاٹ کر انہیں گرفتار کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ ہم سندھ کے تمام طلبہ کے والدین ڈی جی جناب سلمان رضا کو سلام پیش کرتے ہیں، جو تعلیم کے تاجروں کو لگام دینے کے لئے کمربستہ ہیں اور ڈی جی صاحب کے شانہ بہ شانہ اسکولوں کے اچانک دورے کر کے موقع پر ہی والدین کی شکایات کا مداوا کریں گے۔ ندیم مرزا کا مزید کہنا تھا کہ اسٹوڈینٹس پیرینٹس فیڈریشن تعلیمی تاجروں کی طرف سے جناب سلمان رضا کے ٹرانسفر کی تمام کوششوں اور ان کو دھمکانے کی مذمت کرتی ہے۔ بچوں کو تعلیم دینے کے دعوے دار، جو دراصل تعلیم بیچنے والے ہیں، ان کی دھمکیوں، چیخنے، انڈر پریشر کرنے کی ویڈیوز دیکھیں، جس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ڈی جی صاحب کے 7 ستمبر کے احکامات پر عمل درآمد کرایا گیا تو تعلیمی ادارے بند ہو جائیں گے۔ یعنی تعلیمی ادارے قوانین پر عمل درآمد نہیں کریں گے اور سو فیصد قانونی نکات پر مشتمل ڈی جی کی طرف سے 7 ستمبر کو جاری کردہ سرکلر ان کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔

پرائیویٹ اسکولز ایسوسی ایشنز کے ڈائریکٹریٹ سے کئے جانے والے ناجائز مطالبات مندرجہ ذیل ہیں: 3 ماہ کی فیس کی عدم ادائیگی پر بچے کا نام اسکول سے خارج کرنے کا حق دیا جائے، ؟ سال میں 13 ماہ کی، یعنی غیر قانونی سالانہ فیس وصول کرنے دی جائے اور ؟ اسکولوں کے باہر احتجاج کرنے کا آئینی حق استعمال کرنے والے والدین کو روکا جائے، صرف والدین کی درخواست پر کارروائی کی جائے یعنی از خود نوٹیفکیشن کر کے کارروائی نہ کی جائے۔

DIRECTORATE OF INSPECTION & REGISTRATION OF PRIVATE INSTITUTIONS, SINDH
SCHOOL EDUCATION& LITERACY DEPARTMENT, GOVERNMENT OF SINDH
Ground Floor, Government College for Women, Shahrah-e-Liaquat, Burns Road, Saddar, Karachi.
E-mail: dirprivateschool.govtofsindh@yahoo.com

No. DIR/I&R/PIS/SEALD/GOS/[illegible]/2022, Karachi Dated: 12/10/2022

OFFICE ORDER

In continuation of this Directorate Circular vide No. DIR/I&R/PIS/SE&LD/GOS/[illegible]-80/2022, dated: 02-09, following instructions / directives are issued through this Circular to all Principals/ Administrators of privately managed schools:

1. Student may be expelled from the school on the basis of nonpayment of the fee for the period of three months. Disciplinary action can be taken by the school against the students for nonpayment of the fee.
2. School may continue to collect annual fund / fee from the students as per past practice @ equal to one month highest tuition fee of the school.
3. If the parents have any complaint against the school administration; they may register / lodge their complaint on the relevant forum i.e. Directorate of Inspection and Registration of Private Institutions Sindh, Karachi for departmental action. Parents will not be allowed to protest in front of the schools in any case.

(PROF. SALMAN RAZA)
DIRECTOR GENERAL

A Copy is forwarded for information to:-
1. The P.S to Honorable Minister for Education & Literacy, Government of Sindh, Karachi.
2. The P.S. to Secretary, School Education & Literacy Department, Govt. of Sindh, Karachi.
3. The Directors, Regional Directorates of Private Schools, Karachi/Hyderabad/ Mirpurkhas/ Shaheed Benazirabad/ Sukkur/ Larkana
4. Officers (all) of this Directorate.
5. Members of the Inspection Committees of this Directorate.
6. The Editor Print & Electronic Media.
7. Administrators/ Principals (all), Privately Managed Schools, Sindh.
8. Parents Associations.
9. Master File.

(PROF. SALMAN RAZA)
DIRECTOR GENERAL

ڈائریکٹر جنرل پروفیسر سلمان رضا کی جانب سے بوگس سرکلر کی تردید کا نوٹیفکیشن

سمجھا اور پہلے سے موجود قوانین کی وضاحت کرتے ہوئے 7 ستمبر 2022 کو اسکولوں میں بچوں پر تشدد کے خلاف 10 نکاتی سرکلر جاری کیا۔ اس کے علاوہ سب سے بہترین کام یہ ہوا کہ قوانین کی خلاف ورزیوں پر روزانہ کی بنیاد پر پرائیویٹ اسکولوں کی ایکسپلینیشن کال ہو رہی ہے، جس سے تعلیم کے تاجروں کو شدید نقصان کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، جس پر سیخ پا ہو کر آل سندھ اسکولز اینڈ کالجز ایسوسی ایشن کے چیئرمین حیدر علی گزشتہ دنوں ایک جتھہ لے کر ڈائریکٹریٹ پہنچے۔ ان کے ساتھ ولن کے غنڈے ساتھیوں کی طرح دیگر جو لوگ موجود تھے، ان میں آصف خان، شہزاد اختر، سید طارق شاہ، علیم قریشی، بشیر احمد چنہ، انور علی بھٹی، محمد حنیف جدون، فرقان بلال، ناصر زیدی اور دوست محمد دانش بلوچ شامل تھے۔ ڈائریکٹریٹ پہنچ کر احتجاج کرنے کی آڑ میں تعلیم کے ان سوداگروں نے خوب شور شرابہ کیا، ڈائریکٹر محترمہ رافعہ ملاح اور ڈائریکٹر جنرل پروفیسر سلمان رضا کو پریشرائز کیا اور ایک ویڈیو بیان بنوا کر ان سے معذرت کروائی گئی۔ جس پر ملک کے سنجیدہ طبقے اور بالخصوص طلبہ و طالبات کے والدین نے شدید احتجاج اور غم و غصے کا اظہار کیا۔ پرائیویٹ اسکول والوں کی اس غنڈہ گردی کی مذمت کرتے ہوئے اسٹوڈنٹس پیرنٹس فیڈریشن آف پاکستان کے چیئرمین ندیم مرزا نے سوال کیا کہ کہاں ہیں، وزیر اعلیٰ سندھ؟ کہاں ہیں وزیر

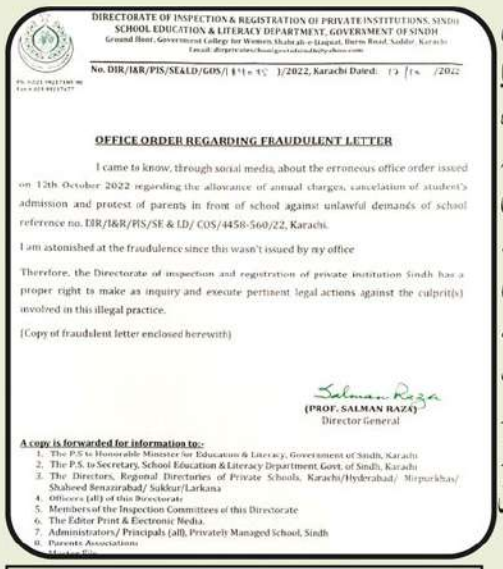

DIRECTORATE OF INSPECTION & REGISTRATION OF PRIVATE INSTITUTIONS, SINDH
SCHOOL EDUCATION& LITERACY DEPARTMENT, GOVERNMENT OF SINDH
Ground Floor, Government College for Women, Shahrah-e-Liaquat, Burns Road, Saddar, Karachi.
Email: dirprivateschool.govtofsindh@yahoo.com

No. DIR/I&R/PIS/SE&LD/GOS/[illegible]-3/2022, Karachi Dated: 12/10/2022

OFFICE ORDER REGARDING FRAUDULENT LETTER

I came to know, through social media, about the erroneous office order issued on 12th October 2022 regarding the allowance of annual charges, cancelation of student's admission and protest of parents in front of school against unlawful demands of school reference no. DIR/I&R/PIS/SE & LD/ COS/4458-560/22, Karachi.

I am astonished at the fraudulence since this wasn't issued by my office

Therefore, the Directorate of inspection and registration of private institution Sindh has a proper right to make an inquiry and execute pertinent legal actions against the culprit(s) involved in this illegal practice.

(Copy of fraudulent letter enclosed herewith)

(PROF. SALMAN RAZA)
Director General

A copy is forwarded for information to:-
1. The P.S to Honorable Minister for Education & Literacy, Government of Sindh, Karachi
2. The P.S. to Secretary, School Education & Literacy Department, Govt. of Sindh, Karachi
3. The Directors, Regional Directorates of Private Schools, Karachi/Hyderabad/ Mirpurkhas/ Shaheed Benazirabad/ Sukkur/ Larkana
4. Officers (all) of this Directorate.
5. Members of the Inspection Committees of this Directorate.
6. The Editor Print & Electronic Media.
7. Administrators/ Principals (all), Privately Managed School, Sindh
8. Parents Associations

ڈائریکٹریٹ آفس کی ملی بھگت سے اسکول مافیا کی جانب سے بنایا گیا جعلی سرکلر

پرائیویٹ اسکول مافیا کے مندرجہ بالا مطالبات کے خلاف ڈائریکٹر جنرل پروفیسر سلمان رضا ڈٹ گئے اور کوئی بھی ناجائز مطالبہ ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ جس کے جواب میں پرائیویٹ اسکول مافیا نے پروفیسر صاحب کی کردار کشی شروع کر دی اور بدمعاشی اور دیدہ دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ڈائریکٹریٹ کے عملے کی ملی بھگت سے ڈائریکٹر جنرل کا دستخط شدہ ایک جعلی

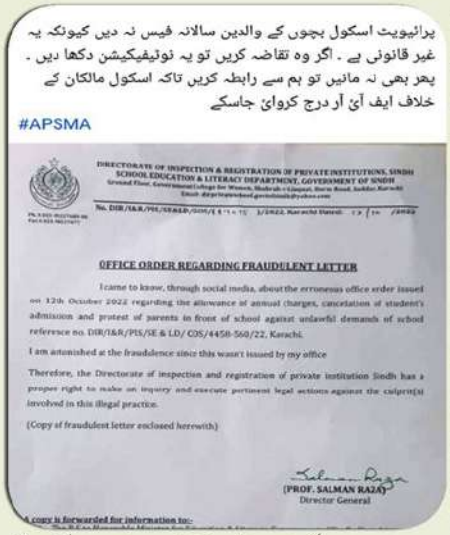

پرائیویٹ اسکول بچوں کے والدین سالانہ فیس نہ دیں کیونکہ یہ غیر قانونی ہے ۔ اگر وہ تقاضہ کریں تو یہ نوٹیفیکیشن دکھا دیں ۔ پھر بھی نہ مانیں تو ہم سے رابطہ کریں تاکہ اسکول مالکان کے خلاف ایف آئی آر درج کروائی جاسکے

#APSMA

DIRECTORATE OF INSPECTION & REGISTRATION OF PRIVATE INSTITUTIONS, SINDH
SCHOOL EDUCATION& LITERACY DEPARTMENT, GOVERNMENT OF SINDH
Ground Floor, Government College for Women, Shahrah-e-Liaquat, Burns Road, Saddar, Karachi
Email: dirprivateschool.govtofsindh@yahoo.com

No. DIR/I&R/PIS/SEALD/GOS/[illegible]-3/2022, Karachi Dated: 12/10/2022

OFFICE ORDER REGARDING FRAUDULENT LETTER

I came to know, through social media, about the erroneous office order issued on 12th October 2022 regarding the allowance of annual charges, cancelation of student's admission and protest of parents in front of school against unlawful demands of school reference no. DIR/I&R/PIS/SE & LD/ COS/4458-560/22, Karachi.

I am astonished at the fraudulence since this wasn't issued by my office

Therefore, the Directorate of inspection and registration of private institution Sindh has a proper right to make an inquiry and execute pertinent legal actions against the culprit(s) involved in this illegal practice.

(Copy of fraudulent letter enclosed herewith)

(PROF. SALMAN RAZA)
Director General

A copy is forwarded for information to:-

سرکلر نکالا، جس کے تحت پرائیویٹ اسکولوں کو سالانہ فیس وصولی کی اجازت کے ساتھ ساتھ دیگر ناجائز وصولیوں کی اجازت دی گئی تھی۔ ڈائریکٹر جنرل پروفیسر سلمان رضا کو جیسے ہی جعلی سرکلر کا علم ہوا، انہوں نے نہ صرف فوری طور پر اس کی تردید کی، بلکہ اپنی قیام گاہ پر باقاعدہ پریس کانفرنس کا انعقاد کر کے میڈیا کو بھی اس بوگس سرکلر کی حقیقت بتائی اور پھر اپنے دستخط سے ایک اور سرکلر جاری کرتے ہوئے گزشتہ جعلی سرکلر کا خاتمہ کر دیا اور زمہ داروں کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا عندیہ بھی دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تعلیم کی سوداگری کرنے والوں نے ریگولیٹر آفس سندھ کے عملے کی ملی بھگت سے والدین کو لوٹنے کے لئے ایک تماشا بنایا ہوا ہے۔ لوٹ مار کرنے والوں کو لوٹنے سے روکنے پر ان تعلیمی سوداگروں کی چیخیں نکل رہی ہیں۔ یہ پرائیویٹ اسکول مافیا والے کبھی ڈی جی آفس جا کے چیخ رہے ہیں، کبھی پریس کلب جا کر چلا رہے ہیں، لیکن ان کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اسکولوں میں زیر تعلیم طلبہ و طالبات کے والدین اب جاگ گئے ہیں، ان کی لوٹ مار اور من مانیوں کا 40 سالہ دور اب ختم ہو چکا ہے، کیونکہ منسوب صدیقی جیسا کرپٹ اور پرائیویٹ اسکول مافیا کا کارندہ ڈائریکٹر اب ریٹائر ہو کر گھر جا چکا ہے اور اس کی جگہ اب ایک با اصول اور قانون پسند شخص نے زمہ داری سنبھالی ہے، جن سے طلبہ کے والدین ناجائز فیس وصولی کے حوالے سے بجا طور پر اچھی امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ حکومت مافیا کا ساتھ دیتی ہے یا ایک سچے، انصاف پسند اور با اصول شخص کا؟؟۔۔۔ مگر افسوس! سندھ سرکار کے نالائق وزیر تعلیم نے مافیا کا ساتھ دیتے ہوئے پروفیسر سلمان رضا کا تبادلہ کر دیا۔ نہ قواعد کے مطابق پروفیسر صاحب کو سنا گیا، نہ انکوائری بٹھائی گئی، بس اسکول مافیا کی فرمائش پر فوری طور پر ان کا تبادلہ کر دیا گیا۔ تاریخ میں سندھ سرکار کے اس تعلیم دشمن فیصلے کو سیاہ حروف سے لکھا جائے گا!

ABC CERTIFIED

Pakistan's 1st Human Rights Educator

WWW.HRPOSTPK.COM

HUMAN RIGHTS POST

HRP

15 YEARS

Service in Human Rights Publications

Vol:15 Issue 10-11 OCTOBER2022/NOVEMBER

Diyat law: The saviour of the affluent

Has Mahsa Amini sparked a revolution in Iran?

Freelancing Is A Way To Beat Unemployment

انسانی حقوق پر پہلی نیوز ایجنسی، حکومت پاکستان سے منظور شدہ

HRNW

اردو اور انگریزی میں خبروں کی ترسیل

www.hrnww.com hrnww.com/urdu

HUMAN RIGHTS NEWS WORLDWIDE
HRNW
PAKISTAN'S 1ST HUMAN RIGHTS NEWS AGENCY

Regd.SS-No.1260

Turkey: Hundreds of Refugees Deported to Syria

EU Should Recognize Turkey Is Unsafe for Asylum Seekers

Turkish authorities arbitrarily arrested, detained, and deported hundreds of Syrian refugee men and boys to Syria between February and July 2022, Human Rights Watch said today.

Deported Syrians told Human Rights Watch that Turkish officials arrested them in their homes, workplaces, and on the street, detained them in poor conditions, beat and abused most of them, forced them to sign voluntary return forms, drove them to border crossing points with northern Syria, and forced them across at gunpoint.

"In violation of international law Turkish authorities have rounded up hundreds of Syrian refugees, even unaccompanied children, and forced them back to northern Syria," said Nadia Hardman, refugee and migrant rights researcher at Human Rights Watch. "Although Turkey provided temporary protection to 3.6 million Syrian refugees, it now looks like Turkey is trying to make northern Syria a refugee dumping ground."

Recent signs from Turkey and other governments indicate that they are considering normalizing relations with Syrian President Bashar al-Assad. In May 2022, President Recep Tayyip Erdogan of Turkey announced that he intends to resettle one million refugees in northern Syria, in areas not controlled by the government, even though Syria remains unsafe for returning refugees. Many of those returned are from government-controlled areas, but even if they could reach them, the Syrian government is the same one that produced over six million refugees and committed grave human rights violations against its own citizens even before uprisings began.

The deportations provide a stark counterpoint to Turkey's record of generosity as host to more refugees than any other country in the world and almost four times as many as the whole European Union (EU), for which the EU has provided billions of Euros in funding for humanitarian support and migration management.

© 2022 Human Rights WatchClick to expand Image
© 2022 Human Rights Watch

Between February and August, Human Rights Watch interviewed by phone or in person inside Turkey 37 Syrian men and 2 Syrian boys who had been registered for temporary protection in Turkey. Human Rights Watch also interviewed seven relatives of Syrian refugee men and a refugee woman whom Turkish authorities deported to northern Syria during this time.

Human Rights Watch sent letters with queries and findings to the European Commission, the European Commission's Directorate-General for Migration and Home Affairs, and the Turkish Interior Ministry. Human Rights Watch received a response from Bernard Brunet, of the EU's Directorate-General for Neighborhood and Enlargement Negotiations. The content of this letter is reflected in the section on removal centers.

Turkish officials deported 37 of the people interviewed to northern Syria. All said they were deported together with dozens or even hundreds of others. All said they were forced to sign forms either at removal centers or the border with Syria. They said that officials did not allow them to read the forms and did not explain what the forms said, but all said they understood the forms to be allegedly agreeing to voluntary repatriation. Some said that officials covered the part of the form written in Arabic with their hands. Most said they saw authorities at these removal centers processing other Syrians in the same way.

Many said that they saw Turkish officials beat other men who had initially refused to sign, so they felt they had no choice. Two men detained at a removal center in Adana said they were given the choice of signing a form and going back to Syria or being detained for a year. Both chose to leave because they could not bear the thought of a year in detention and needed to support their families.

Ten people were not deported. Some were released and warned that if they did not move back to their city of registration they would be deported if found elsewhere. Others managed to contact lawyers through the intervention of family members to help secure their release. Several are still in removal centers waiting for a resolution to their case, unaware why they are being detained and fearing deportation. Those released described life in Turkey as dangerous, saying that they are staying at home with their curtains closed and limiting movement to avoid the Turkish authorities.

Deportees were driven to the border from removal centers, sometimes in rides lasting up to 21 hours, handcuffed the whole way. They said they were forced to cross border checkpoints at either

Öncüpinar/Bab al-Salam or Cilvegözü/Bab al-Hawa, which lead to non-government- controlled areas of Syria. At the checkpoint, a 26-year-old man from Aleppo recalled a Turkish official telling him, "We'll shoot anyone who tries cross back."

In June 2022, the UN refugee agency, UNHCR, said that 15,149 Syrian refugees had voluntarily returned to Syria so far this year. The local authorities who control Bab al-Hawa and Bab al-Salam border crossings respectively publish monthly numbers of people crossing through their checkpoints from Turkey to Syria. Between February and August 2022, 11,645 people were returned through Bab al-Hawa and 8,404 through Bab al-Salam.

Turkey is bound by treaty and customary international law to respect the principle of nonrefoulement, which prohibits the return of anyone to a place where they would face a real risk of persecution, torture or other ill-treatment, or a threat to life. Turkey must not coerce people into returning to places where they face serious harm. Turkey should protect the basic rights of all Syrians, regardless of where they are registered and should not deport refugees who are living and working in a city other than where their temporary protection ID and address are registered.

On October 21, Dr. Savas Ünlü, head of the Presidency for Migration Management, responded by letter to Human Rights Watch's letter of October 3 sharing this report's findings. Emphasizing that Turkey hosts the largest number of refugees in the world, Dr. Ünlü rejected Human Rights Watch's findings in their totality, calling the allegations baseless. Setting out the services provided by law to people seeking protection in Turkey, he underscored that Turkey "carries out migration management in accordance with national and international law."

"The EU and its member states should acknowledge that Turkey does not meet its criteria for a safe third country and suspend its funding of migration detention and border controls until forced deportations cease," Hardman said. "Declaring Turkey a 'safe third country' is inconsistent with the scale of deportations of Syrian refugees to northern Syria. Member states should not make this determination and should focus on relocating asylum seekers by increasing resettlement numbers."

Human Rights Watch focused on the deportation of Syrian refugees who had been recognized by Turkey's temporary protection regime but whom authorities nevertheless deported or threatened with deportation to Syria in 2022. All 47 Syrian refugees whose cases were examined had been

living and working in cities across Turkey, the majority in Istanbul, before they were arrested, detained, and in most cases deported. All detainees are identified with pseudonyms for their protection.

All but two had a Turkish temporary protection ID permit when they lived in Turkey, commonly called a kimlik, which protects Syrian refugees against forced return to Syria. Several said they had both a temporary protection ID and a work permit.

Turkey shelters over 3.6 million Syrians and is the world's largest refugee-hosting country. Under a geographical limitation that Turkey has applied to its accession to the UN Refugee Convention, Syrians and others coming from countries to the south and east of Turkey's borders are not granted full refugee status. Syrian refugees are registered under a "temporary protection" regulation, which Turkish authorities say automatically applies to all Syrians seeking asylum.

Turkey's Temporary Protection Regulation grants Syrian refugees access to basic services including education and health care but generally requires them to live in the province in which they are registered. Refugees must obtain permission to travel between provinces. In late 2017 and early 2018, Istanbul and nine provinces on the border with Syria suspended registration of newly arriving asylum seekers. In February 2022, Turkey's Deputy Interior Minister Ismail Çatakli said applications for temporary and international protection would not be accepted in 16 provinces: Ankara, Antalya, Aydin, Bursa, Çanakkale, Düzce, Edirne, Hatay, Istanbul, Izmir, Kirklareli, Kocaeli, Mugla, Sakarya, Tekirdag, and Yalova. He also said residency permit applications by foreigners would not be accepted in any neighborhood in which 25 percent or more of the population consisted of foreigners. He reported that registration had already been closed in 781 neighborhoods throughout Turkey because foreigners in those locations exceeded 25 percent of the population.

In June, Interior Minister Süleyman Soylu announced that from July 1 onward, the proportion would be reduced to 20 percent and the number of neighborhoods closed to foreigners' registration increased to 1,200, with cancellation of temporary protection status of Syrians who traveled in the country without applying for permission. Many interviewees explained that they could not find employment in their city of registration and could not survive there but could find work in Istanbul.

Over the past two years, there has been an increase in racist and xenophobic attacks against foreigners, notably against Syrians. On August 11, 2021, groups of Turkish residents attacked workplaces and homes of Syrians in a neighborhood in Ankara a day after a Syrian youth stabbed and killed a Turkish youth in a fight.

In the lead-up to general elections in spring 2023, opposition politicians have made speeches that fuel anti-refugee sentiment and suggest that Syrians should be returned to war-torn Syria. President Erdogan's coalition government has responded with pledges to resettle Syrians in Turkish-occupied areas of northern Syria.

Most of those interviewed were arrested on the streets of Istanbul, and others during raids in their workplaces or homes. The arresting officials sometimes introduced themselves as Turkish police officers, and all demanded to see the refugees' identification documents.

Under Turkey's temporary protection regulation, Syrian refugees are required to live in

the province where they first register as refugees. Seventeen of these 47 refugees were living and working in their city of registration, while the rest were living and working in a different province.

Five refugees said they were arrested because of complaints or spurious allegations from neighbors or employers, ranging from making too much noise to being a terrorist. All refugees said these accusations had no foundation. Four of them were acquitted, released, or deported; one man is still being investigated.

Detention

On arrest, Syrian refugees were either taken to local police stations for a short period or directly to a removal center, usually Tuzla Removal Center in Istanbul. Other removal centers included were in Pendik, Adana, Gaziantep, and Urfa. In all cases, Turkish officials confiscated the Syrians' telephones, wallets, and other personal belongings. The authorities refused refugees' requests to call their family members or lawyers. One man who asked to speak to a lawyer said an officer at the police station said, "'Did you commit any crime?' When I said 'no,' he said, 'Then you don't need to call a lawyer.'"

All said the Turkish authorities kept them in cramped, unsanitary rooms in various removal centers. Beds were limited and interviewees said they often had to share them. Refugees said they were usually divided according to nationality and were generally held with other Syrians. Boys under 18 were detained with adult men.

Migrants and refugees held in a basketball court for hours while waiting for a cell in Tuzla Removal Center in June 2022. © 2022 privateClick to expand Image

Migrants and refugees held in a basketball court for hours while waiting for a cell in Tuzla Removal Center in June 2022. © 2022 private

While some removal centers had better conditions than others, all interviewees described a lack of adequate food and access to washroom facilities, as well as other unsanitary conditions. In Tuzla, where the majority of interviewees passed through, Syrians described being held outside in areas described as "basketball courts" for hours on end while waiting to be assigned a space, which was usually inside a cramped metal container.

"Ahmad" described conditions at Tuzla Removal Center, where he was detained alongside unrelated children in overcrowded metal containers:

There were six beds in my cell and two or three people had to share each bed, and in my cell, one kid was 16 and one was 17. At first there were 15 of us [in the cell] but then they added more people. We stayed 12 days without taking a shower because they didn't have one.

All interviewees said Turkish officials in the removal centers either assaulted them or they witnessed officials kicking or beating other Syrians with their hands or wooden or plastic batons. "Fahad," a 22-year-old man from Aleppo, described the beatings in Tuzla Removal Center:

I was beaten in Tuzla.... I dropped my bread by accident and I tried to pick it up from the floor. An officer kicked me and I fell down. He started to beat me with a wooden stick. I couldn't defend myself. I witnessed beatings of other people. In the evening if people smoked they were beaten. They [the guards] were always humiliating us. One man was smoking ... and five guards started to beat him very hard and they made his eye black and blue and beat his back with a stick. And everyone who tried to intervene was beaten.

"Ahmad," a 26-year-old man from Aleppo, said Turkish police arrested him at his workplace, a tailor shop in Istanbul, and took him to Tuzla Removal Center where he was severely beaten on multiple occasions:

I was beaten in Tuzla three times; the last time was the harshest for me. I was arguing about the fact that I should be allowed to go out of the doors of the prison, I should have been allowed time for breaks. So they [the guards] cursed me and insulted me and my family. I said I would complain to their director. I was beaten on my face with a wooden stick, and they [the guards] broke my teeth.

Ahmad was eventually deported to northern Syria through the Bab al-Salam border crossing and is now staying in Azaz city, currently under the control of the Turkey-backed Syrian Interim Government, an opposition group, as he cannot cross into Syrian government-controlled Aleppo city because he is wanted by the Syrian army. "I fled the war [in Syria] because I am against violence," he said. "Now they [the Turkish authorities] sent me back here. I just want to be in a safe place."

"Hassan," a 27-year-old former political prisoner and survivor of torture from Damascus, was arrested at his house when his neighbors complained about the noise coming from his apartment. He spent a few months being transferred between various removal centers. At the last one, he was told to sign a voluntary return form. When he refused to sign, Hassan said, "I was put inside a cage, like a cage for a dog. It was metal ... approximately 1.5 meters by one meter. When the sun hit the cage it was so hot."

When he was first arrested, Hassan managed to contact his wife before his phone was confiscated. She found a lawyer who helped secure his release.

Forced to Sign "Voluntary Return" Forms

Many deportees said Turkish officials – either removal center guards, or officials they described as "police" or "jandarma" interchangeably – used violence or the threat of violence to force them into signing "voluntary" return forms. Human Rights Watch gathered testimony indicating deportees were forced to sign "voluntary return" forms at removal centers in Adana, Tuzla, Gaziantep, and Diyarbakir, and a migration office in Mersin.

"Mustafa," a 21-year-old man from Idlib, was arrested on the streets in the Esenyurt neighborhood of Istanbul. After several days in a removal center in Pendik, he was transferred to Adana, where he was put in a small cell with 33 other Syrian men for a night. In the morning, Mustafa said, a jandarma officer came to take detainees separately to another room:

When my urn came, they took two of us into a room where there were four officials: a jandarma, a plain-clothed man, the [Adana Removal Center] migration director, and a translator. I saw three people sitting on the floor under the table who had been taken earlier from our cell and their faces were swollen.

The translator asked the man who was with me to sign some papers, but when he saw one was a voluntary return form he didn't want to sign. The jandarma and the plain-clothed guy started beating him with their hands and their batons and kicked him. After about 10 minutes they tied his hands and moved him next to the men already on the floor under the table. The translator asked me if I wanted to taste what the others had tasted before me. I said no and signed the paper.

Mustafa was later deported from Cilvegözü/Bab al-Hawa border crossing and is now staying in al-Bab city in northern Aleppo province.

Syria Remains Unsafe for Returns

Most people interviewed said they originated from government-controlled areas in Syria. They said they could not cross from the opposition-controlled areas of northern Syria to their places of origin for fear Syrian security agencies would arbi-

trarily arrest them and otherwise violate their rights. Those deported to northern Syria told Human Rights Watch they felt "stuck" there, unable to go to home or to forge a life amid the instability of clashes in northern Syria.

"I cannot go back to Damascus because it is too dangerous," said "Firaz," 31, in a telephone interview, who is from the Damascus Countryside and was deported from Turkey in July 2022 and is now living in Afrin in northern Syria. "There is fighting and clashes [in Afrin]. What do I do? Where do I go?"

In October 2021, Human Rights Watch documented that Syrian refugees who returned to Syria between 2017 and 2021 from Lebanon and Jordan faced grave human rights abuses and persecution at the hands of the Syrian government and affiliated militias, demonstrating that Syria is not safe for returns.

While active hostilities may have decreased in recent years, the Syrian government has continued to inflict the same abuses onto citizens that led them to flee in the first place, including arbitrary detention, mistreatment, and torture. In September, the UN Commission of Inquiry on Syria once again concluded that Syria is not safe for returns.

In addition to the fear of arrest and persecution, 10 years of conflict have decimated Syria's infrastructure and social services, resulting in massive humanitarian needs. Over 13 million Syrians needed humanitarian assistance as of early 2021. Millions of people in northeast and northwest Syria, many of whom are internally displaced, rely on the cross-border flow of food, medicine, and other lifesaving assistance.

International Law

Turkey is a party to the International Covenant on Civil and Political Rights (ICCPR) and the European Convention on Human Rights, both of which prohibit arbitrary arrest and detention and inhuman and degrading treatment. If Turkey detains a person to deport them but there is no realistic prospect of doing so, including because they would face harm in the destination country, or the person is unable to challenge their removal, the detention is arbitrary.

Turkey's treaty obligations under the European Convention, the ICCPR, the Convention Against Torture, and the 1951 Refugee Convention also require it to uphold the principle of nonrefoulement, which prohibits the return of anyone to a place where they would face a real risk of persecution, torture or other ill-treatment, or a threat to life.

Turkey may not use violence or the threat of violence or detention to coerce people to return to places where they face harm. This includes Syrian asylum seekers, who are entitled to automatic protection under Turkish law, including any who have been blocked from registration for temporary protection since late 2017. It is important that it also applies to refugees who have sought employment outside the province in which they are registered. Children should never be detained for reasons solely related to their immigration status, or detained alongside unrelated adults.

EU Funding of Turkey's Migration Management

The implementation of the March 2016 EU-Turkey deal, which aimed to control the number of migrants reaching the EU by sending them back to Turkey, is based on the flawed premise that Turkey would be a safe third country to which to return Syrian asylum seekers. However, Turkey has never met the EU's safe third country criteria as defined by EU law. The recent violent deportations show that any Syrian forcibly returned from the EU to Turkey would face a risk of onward refoulement to Syria.

In June 2021, the Greek government adopted a Joint Ministerial Decision determining that Turkey was safe third country for asylum seekers from Syria, Afghanistan, Pakistan, Bangladesh, and Somalia.

Turkey's removal centers have been constructed and maintained with significant funding from the European Union. Prior to 2016, under the Instrument for Pre-Accession Assistance (IPA I and IPA II), the EU provided more than €89 million for the construction, renovation, or other support of removal centers in Turkey. Some €54 million of this funding in 2007 and 2008 was for the construction of seven removal centers in six provinces with a capacity for 3,750 people. In 2014, it provided another €6.7 million for renovation and refurbishment of 17 removal centers. In 2015, the EU provided about €29 million for the construction of six new removal centers with a capacity for 2,400 people.

Following the first €3 billion committed to Turkey as part of the EU-Turkey deal of March 2016, the EU's Facility for Refugees in Turkey (FRiT) provided €60 million to the then-Directorate General for Migration Management to "support Turkey in the management, reception and hosting of migrants, in particular irregular migrants detected in Turkey, as well as migrants returned from EU Member States territories to Turkey." This funding was used for the construction and refurbishment of the Çankiri removal center and for staffing 22 other removal centers.

The EU provided another €22.3 million to the DGMM for improving services and physical conditions in removal centers, including funding for "the safe and organized transfer of irregular migrants and refugees within Turkey," and €3.5 million for "capacity-building assistance aimed at strengthening access to rights and services."

On December 21, 2021, the European Commission announced a €30 million financing decision to support the Turkish Interior Ministry's Presidency of Migration Management's "capacity building and improving the standards and conditions for migrants in Turkey's hosting centers … to improve the management of reception and hosting centers in line with human rights standards and gender-sensitive approaches" and to ensure "safe and dignified transfer of irregular migrants."

Recommendations

To the Turkish government:

End arbitrary arrests, detention, and deportation of Syrian refugees to northern Syria.

Ensure that members of security forces and immigration officials do not use violence against Syrians or other detained foreign nationals and hold any officials using violence to account.

Independently investigate actions to force, deceive, or falsify the signing or imprint of migrants' fingerprints on "voluntary return" forms.

Allow the Office of the United Nations High Commissioner for Refugees (UNHCR) to freely access removal centers, monitor the process of obtaining Syrians' permission to return them to Syria to make certain it is voluntary, and observe interviews and removal procedures to ensure that police or immigration officials do not use violence against Syrians or other foreign nationals.

To the European Commission:

Publicly clarify that Turkey is not a safe third country under the criteria set out in Article 38 of the EU Asylum Procedures Directive.

Press Greece to repeal the Joint Ministerial Decision deeming Turkey a safe third country, and should it fail to do so in a reasonable time frame, pursue legal action.

Publicly call on Greece to re-examine all inadmissibility decisions based on the safe third country concept in relation to all Syrian asylum seekers.

Ask the European Union's Agency for Asylum to prepare a new Turkey Country of Origin report relevant for safe third country designation and ensure that this includes the situation of third country nationals in Turkey, including people transiting through or seeking international protection in Turkey.

Make any EU funding of removal centers contingent on full and unhindered access of UNHCR and EU monitoring staff and other independent observers, including access to interview detainees to assess the voluntariness of return.

Develop a public human rights impact assessment and press Turkey to allow an independent reporting mechanism to ensure that EU funding for border management and for Turkey's removal centers does not contribute to or perpetuate human rights violations.

Report publicly, including in the context of the annual report on Turkey, on Turkish authorities' actions to deport Syrian refugees unlawfully and to force or coerce the signing of "voluntary return" forms in removal centers, including those which received EU funding.

Publicly call on Turkey to stop the deportations and allow UNHCR to monitor whether detained Syrians wish to remain in Turkey or voluntarily return to Syria.

Qatar: Security Forces Arrest, Abuse LGBT People

Discrimination, Ill-Treatment in Detention, Privacy Violations, Conversion Practices

Qatar Preventive Security Department forces have arbitrarily arrested lesbian, gay, bisexual, and transgender (LGBT) people and subjected them to ill-treatment in detention, Human Rights Watch said today. LGBT people interviewed said that their mistreatment took place as recently as September 2022, as Qatar prepared to host the 2022 FIFA Men's World Cup in November and even as the government came under intense scrutiny for its treatment of LGBT people.

Human Rights Watch documented six cases of severe and repeated beatings and five cases of sexual harassment in police custody between 2019 and 2022. Security forces arrested people in public places based solely on their gender expression and unlawfully searched their phones. As a requirement for their release, security forces mandated that transgender women detainees attend conversion therapy sessions at a government-sponsored "behavioral healthcare" center.

"While Qatar prepares to host the World Cup, security forces are detaining and abusing LGBT people simply for who they are, apparently confident that the security force abuses will go unreported and unchecked," said Rasha Younes, LGBT rights researcher at Human Rights Watch. "Qatari authorities need to end impunity for violence against LGBT people. The world is watching."

Human Rights Watch interviewed six LGBT Qataris, including four transgender women, one bisexual woman, and one gay man. Doctor Nasser Mohamed, an openly gay Qatari activist, helped connect Human Rights Watch to five of those interviewed.

All said that Preventive Security Department officers detained them in an underground prison in Al Dafneh, Doha, where they verbally harassed and subjected detainees to physical abuse, ranging from slapping to kicking and punching until they bled. One woman said she lost consciousness. Security officers also inflicted verbal abuse, extracted forced confessions, and denied detainees access to legal counsel, family, and medical care. All six said that police forced them to sign pledges indicating that they would "cease immoral activity."

All were detained without charge, in one case for two months in solitary confinement, without access to legal counsel. None received any record of having been detained. These acts could constitute arbitrary detention under international human rights law.

The Preventive Security Department is under Qatar's Interior Ministry.

A transgender Qatari woman said that after security forces arrested her on the street in Doha, Preventive Security officers accused her of "imitating women" because of her gender expression. In the police car, they beat her until her lips and nose were bleeding and kicked her in the stomach, she said. "You gays are immoral, so we will be the same to you," she said one officer told her.

"I saw many other LGBT people detained there: two Moroccan lesbians, four Filipino gay men, and one Nepalese gay man," she said. "I was detained for three weeks without charge, and officers repeatedly sexually harassed me. Part of the release requirement was attending sessions with a psychologist who 'would make me a man again.'"

Another Qatari transgender woman said she was arrested in public by Preventive Security Department forces because she was wearing makeup. "They gave me hand wipes and made me wipe the

makeup off my face," she said. "They used the makeup-stained wipes as evidence against me and took a picture of me with the wipes in my hand. They also shaved my hair." Security forces made her sign a pledge that she would not wear makeup again as a condition for her release, she said.

A Qatari bisexual woman said: "[Preventive Security officers] beat me until I lost consciousness several times. An officer took me blindfolded by car to another place that felt like a private home from the inside and forced me to watch restrained people getting beaten as an intimidation tactic."

A Qatari transgender woman, arrested by Preventive Security in public in Doha, said: "They [Preventive Security] are a mafia. They detained me twice, once for two months in a solitary cell underground, and once for six weeks. They beat me every day and shaved my hair. They also made me take off my shirt and took a picture of my breasts. I suffered from depression because of my detention. I still have nightmares to this day, and I'm terrified of being in public."

In all cases, LGBT detainees said, Preventive Security forces forced them to unlock their phones and took screenshots of private pictures and chats from their devices, as well as contact information of other LGBT people.

A Qatari gay man who has experienced government repression, including arbitrary arrest, said that security forces surveilled and arrested him based on his online activity.

All those interviewed provided strikingly similar accounts. The repressive climate around free expression in Qatar, including around the rights of LGBT people, has made many people who may have experienced mistreatment afraid to be interviewed because of the risk of retaliation, Human Rights Watch said.

Qatar's Penal Code, under article 285, punishes extramarital sex, including same-sex relations, with up to seven years in prison. None of those interviewed said they faced charges, and it appears their arbitrary arrest and detention is based on Law No 17 of 2002 on Protection of Community, which allows for provisional detention without charge or trial for up to six months, if "there exist well-founded reasons to believe that the defendant may have committed a crime," including "violating public morality." Qatari authorities also censor mainstream media reports about sexual orientation and gender identity.

In 2020, Qatar assured prospective visitors that it would welcome LGBT visitors and that fans would be free to fly the rainbow flag at the World Cup football games. Suggestions by officials that Qatar would make an exception to its abusive laws and practices for outsiders are implicit reminders that Qatari authorities do not believe that its LGBT citizens and residents deserve basic rights, Human Rights Watch said.

FIFA, the football governing body, which awarded Qatar the World Cup in 2010, adopted in 2016 the United Nations Guiding Principles on Business and Human Rights, which require it to "avoid infringing on the human rights of others and address adverse human rights impacts." It requires FIFA to take adequate measures for the "prevention, mitigation, and remediation" of human rights impacts.

Qatari security forces should end arrests for adult, consensual sexual relations, including same-sex conduct, or those based on gender expression, and immediately release LGBT people who remain arbitrarily detained, Human Rights Watch said. The Qatari government should put an end to security force ill-treatment against LGBT people, including by halting any government-sponsored programs aimed at conversion practices. Countries sending external security forces to Qatar during the World Cup should ensure they comply with international human rights law and refrain from adding to Qatari security forces' abuses.

The Qatari authorities should repeal article 285 and all other laws that criminalize consensual sexual relations outside of marriage and introduce legislation that protects against discrimination on the basis of sexual orientation and gender identity, online and offline. Freedom of expression and nondiscrimination based on sexual orientation and gender identity should be guaranteed, permanently, for all residents of Qatar, not just spectators going to Qatar for the World Cup, Human Rights Watch said.

"Only weeks ahead of the World Cup, LGBT people are raising the alarm on the abuses they have endured by security forces," Younes said. "The Qatari government should call an immediate halt to this abuse and FIFA should push the Qatari government to ensure long-term reform that protects LGBT people from discrimination and violence."

When You Live Abroad And Your Parents Are Aging Back In Pakistan

Atif Zafar

It was more than ten years ago in Karachi, Pakistan. I finished my medical school and after battling visa issues eventually made it in time to join my clinical training program in Iowa City in the US. Senior overseas Pakistani alumni were instrumental in guiding and mentoring me and many of my colleagues to make this jump from Pakistani to the United States.

The clinical training was brutally busy. Probably as intense as any other residency in Pakistan is. One day, after a 36-hour in-hospital shift I received a grieving call from my father in Karachi, "Tumhari Ammi ko doctors ne cancer diagnose kia hai." I was overwhelmed with shock, distress, and a feeling of utter helplessness, sitting thousands of miles away from the family I loved and valued so much, especially at a time when they needed me the most.

?I was wracked with guilt. Knowing that any decision I make would impact my personal career trajectory, I made the reluctant decision to abandon my training in the US to attend to my mother. As I was finalizing my flight back to Pakistan. I got in touch with a few of my physician friends who were in Karachi at the time. They reassured me that I need not leave the US; and they would proceed with the arduous task of arranging all the necessary appointments and tests for a second opinion with an oncologist locally. I was anxious, living with guilt and a feeling of "selfishness" that I am not where I should be. Just for a worldly gain. I say, just, but frankly it was all I wanted at that time. It was a dream that I was pursuing and circumstances were challenging me to shatter my dreams if I was truly selfless.

My friends came through. Upon evaluation and review of my mother's previous scans, it turned out that my mother's uterine mass was a benign growth that had been present on previous scans as well. Since her bladder infection was so severe, the physicians paid attention to it more so this time, and forgot to compare to her previous scans. In short, they had the wrong diagnosis all along. My friends were able to pick this little mistake, alert the medical team. And now my mother from being someone who could have advanced cancer, was rapidly recovering from a bladder infection. I was indebted to my friends and family for dealing with the crisis. Although my sibling flew down from Islamabad, and my father was there, the significance of having doctors as friends was an incredible blessing.

Relieved and grateful beyond words, I resolved at that time in 2016, exactly six years ago, that one day Id do something that would help others who were in a similar situation. So that others would never have to feel that sense of helplessness in arranging appropriate medical care for their loved ones when they cannot be physically present with them.

?As I was reaching out to like-minded people to join in this endeavor, that would allow me to launch something for our parents in Pakistan, I realized there were so many overseas Pakistanis going through what I had experienced. One of those, is a co-founder in our startup. He had to close his clinical practice for a few months in London and leave his wife and kids, as his father was suffering from COVID related complications.

Although, aging parents and the experiences that come along in this phase of life is not exclusive to overseas Pakistanis. The distance, that often exists, when parents are in Pakistan, the children abroad – often triggers an emotional and logistical challenge for those who have experienced it. And just like many overseas Pakistanis who did like myself, many in the coming years, unfortunately, will continue to face these challenges.

Female Flood Survivors Need To Be Equipped With Life-Saving Skills

Kashif Shamim

International Day of Rural Women was celebrated on 15 October, and this day was dedicated to the millions of women who live in remote, rural areas. It was to celebrate and highlight their achievements and contributions towards rural development and agriculture.

The theme for International Day of Rural Women 2022 was "Rural Women, key for a world free from hunger and poverty."

Women in Pakistan's rural areas have been living in horrific conditions for many decades. Recent unprecedented rains in Pakistan have caused widespread flooding and devastation. Millions including women, children and elderly have become shelterless, living in poverty and misery. They have lost their crop, cattle and livelihood and there is a real threat of starvation, malnutrition and spread of disease.

The Government of Pakistan estimates that around 33 million people across the country are affected, including an estimated 8.2 million women of reproductive age.

many women and girls are at an increased risk of gender-based violence (GBV) as almost 1 million houses have been damaged.

This calamity has badly hit the poor population in the affected areas and its consequences are drastically impacting the women who are already at a low ebb. women in flood-affected areas are suffering from mental and physical stresses, they are also more liable to violence and abuse as a result of the flood crises. Due to joblessness, house destruction, starvation and uncertainty, gender-based violence is likely to increase as men would resort to violent ways to vent their frustration, similar to how cases of domestic violence and gender-based violence greatly increased in number during Covid-19 lockdown.

Female flood survivors need protection, food, medical facilities, guidance about how to lead a healthy life, need awareness on how to raise voice for their rights, and need to be equipped with life-saving skills.

A few days ago, the Legal Aid Society (LAS), the National Commission for Human Rights and the Sharmeen Obaid-Chinoy's SOC Films organized an important meeting to discuss the rights of women to property and related issues. LAS Executive Director Haya Emaan Zahid, while talking about the rights of women to property, also made the women facing the current flood situation in the country the focus of her conversation. She said that the burden of responsibilities on the flood-affected women has increased.

"Owing to different reasons, they cannot leave their homes. They must stay where they are. The United Nations Population Fund has informed that almost 650,000 pregnant women in flood-affected areas in Pakistan. Women need to be equipped with life-saving skills and effective policies are needed to be put in place to empower them," she opined.

Haya Zahid said that the recent floods may change their future. "We have to turn the climatic changes into opportunities, keeping in view the improvement of the women.

What Is The Link Between The Supply Of Money & Inflation?

Zalghi Khan

AS ECONOMISTS RING ALARM BELLS REGARDING THE RATE OF INFLATION, ACROSS THE GLOBAL ECONOMIES, I did think it appropriate and relevant to answer a more fundamental question: "What is the link between the supply of money and inflation?" In this brief essay I intend to answer this question with an objective view, so that we can get to the truth of the matter and ascertain the reality of money and inflation, without getting distracted by philosophical propositions and abstract concepts.

When there is an increased supply of money in the economy, people tend to spend that money more, which results in greater demand for goods and services. If the supply of goods and services remain constant, but the money supply increases and so does the demand for goods and services, the average price of those goods and services increases in response. This is the most basic explanation of inflation.

The link between money and inflation is that the former can cause the latter if there is no real change in economic output. In other words, if the money in circulation increases but the production of goods and services does not increase proportionally but remains constant, then sellers must increase prices. As Milton Friedman explained it with such simplicity, "Inflation is caused by too much money chasing after too few goods." In the case of inflation, more money equals more problems! Economists say that with the increase of the supply of money there appears an increase in aggregate demand which results in higher prices. Here are some examples from history of increased money supply causing inflation:

US Confederacy 1862-65 In the USA, there was a civil war between the north and the south about several issues, including slavery. The southern states required slaves for economic reasons, since they were a primarily agricultural-oriented society, with cotton being a major crop for production. The southern states set up their own country known as Confederate States of America (CSA), which was not recognized by Great Britain but was granted a neutral status which later the British withdrew for their own reasons of not encouraging the working-class rebelling in the United Kingdom. During this internal war between the southern states and the northern states, the former found itself short of finance (the CSA only managed to raise approximately half of the cost of war around 46% from taxes and bonds) so they printed more money to pay for materials and soldiers in war. The problem was that the economic reality did not reflect the surge in the printing of money; real economic output was falling, but the money printed was surging, resulting in inflation of 700% in the first two years of the war and reached a peak of more than 5000% by the end of the war.

German Hyperinflation 1923 When Germany was forced to pay reparations after WW1, it was having economic problems. As a result, the government engaged in printing

money, in fact too much money. When Germany reached the important year of 1923, the economy had reached the critical phase of hyperinflation.

Zimbabwe 2008 Recently, the African nation of Zimbabwe experienced hyperinflation. When the government debt reached high levels, economic output declined, the nation adopted the German strategy of printing more money to reduce the crisis. This printing of money led to hyperinflation of an estimated 79,600,000,000% in Nov 2008. A daily inflation rate of 98%

US economy 2020/21 When Covid-19 pandemic struck in 2020, the US economy declined enormously. This meant the Federal Reserve had to create more money. In 1-2years inflation struck hard (this inflation was also caused by other factors such as commodity price rises and supply chain disruptions).

It is important to note that increasing the money supply does not always cause inflation.

It is possible to increase the money supply without causing inflation. There are a few possible reasons:

The growth of real output is the same as the growth of the money supply. If we imagine that the supply of money increased by 10 %. This would lead to an increase of Aggregate Demand by the same percentage in a simplified model. And if the productive capacity of the economy also increased by 10% then the price level would be unaffected. In other words, the growth of the money supply is absorbed in the increase in real output.

Increase in bank reserve ratios. The Federal Reserve increased the monetary base by over 120%; however, this did not result in inflation, in fact, the US experienced temporary deflation. The main reason is that banks increased their reserve ratio. Essentially banks received extra money from the Federal Reserve but did not want to lend it to ordinary firms and households. Therefore, the extra money supply did not reach the wider economy and there was no inflationary impact.

Hard to Measure Money Supply. Sometimes the money supply is hard to calculate and is constantly changing. Large increases in the money supply are often just due to changes in the way people hold money. For example, an increase in credit card use may cause an increase in the broad money supply M4.

Changes in velocity of Circulation. The quantity theory of money equation MV=PY assumes that an increase in M causes an increase in P. However, this assumes that V (velocity of circulation) is constant, and Y is constant. However, in practice, it is not as simple as this equation assumes. There are often variations in the velocity of circulation. A good example is in a recession, the stock of money may rise 5%, however, people will be making fewer transactions and therefore the velocity of circulation will fall. This is one reason why quantitative easing (increasing the money supply) did not cause inflation between 2009 and 2016.

Keynesian view – Liquidity Trap In a recession, there is spare capacity in the economy. Therefore, an increase in the money supply merely helps to get unemployed resources used in the general economy. Therefore, in the case of a recession, an increased money supply is unlikely to cause inflation. In a liquidity trap, interest rates fall to zero, but this doesn't prevent people from saving. In this situation, there is a fall in the velocity of circulation, and this can cause deflation. In this situation, increasing the money supply will not necessarily cause inflation.

Moving beyond the Single National Curriculum

Ahmed Cheema

Simply updating curriculum standards or building additional schools will have little impact on the dismal statistics.

The Constitution of Pakistan mandates that the state provide free education up to the age of 16 for its citizens. This is a promise that has been continuously ignored by consecutive governments. Pakistan's national literacy rate stands at 58 per cent in contrast to India and Bangladesh, both of whom will cross the 75 per cent threshold soon. The dynamics of gender disparity illustrate a gloomier situation: a female literacy rate of 46.5 per cent. Pakistan has nearly 22.8 million children between the ages of five to 16 out of school – a figure that is the second highest in the world.

This is nothing short of a disaster waiting to unfold. Education reforms were a core focus of the former Pakistan Tehreek-e-Insaf (PTI) government and the development of a single national curriculum (SNC) is lauded as an exemplary initiative by their supporters. Despite the praise the PTI government received, there are a plethora of problems in the schooling system that ought to be addressed.

Pakistan's schooling system can be divided in to three distinct categories. These include more than 120,583 private schools that meet the aspirations of the middle class (some also cater to low income households); approximately 137,079 government schools that serve the general public and almost 32,000 madrassahs and religious seminaries which function as the only abode for the underprivileged (figures may vary annually). The former prime minister publicly proclaimed his desire to bring all three classifications in alignment. However, the SNC by itself is not enough.

The easy task of designing minimum standards for curriculum has been achieved. Now comes the hard part of implementing these throughout the country. This would entail addressing some of the most glaring shortfalls in the public education system, primarily the lack of schooling infrastructure in public schools, especially in the under developed areas of Khyber Pakhtunkhwa(KP), Balochistan and rural Sindh. Visiting these schools would alert observers to the absence of science and computer labs, the dearth of stationery and school books, and the blatant neglect towards accessible sanitation, especially when it comes to female bathrooms.

Additionally, there are thousands of schools that exist on paper but in reality are mere heaps of brick and mortar. A study in Sindh exposed almost 10,000 ghost schools with teachers drawing salaries, but with no students or classes. This is exacerbated by the thousands of teachers who do show up at schools but only for a day or two. Sindh alone has such 18,000 teachers with abysmally low attendance rates. Even if teachers do show up, there are serious questions about the quality of instruction students obtain. A few years ago, a prominent news channel featured a documentary on public schools in rural Sindh. Unsurprisingly, the documentary exposed how many Grade 3 students failed to spell the words 'cats' or 'dogs' correctly, let alone compose a paragraph. When grilled about the performance of these students, a representative of the Education Board responded by pointing out the scarcity of proficient teachers and further remarked that teachers who were employed owed their appointments to political connections, not their academic/educational aptitude. Schools are only as good as the teachers they employ.

For the millions of rural children, any hope of a bright future remains a distant dream. Predictably, regions with the lowest literacy rate such as Dera Bugti (six per cent) are also hotbeds for violence and social strife. The disproportionate divide between male and female literacy rates hinders gender empowerment. Kohistan in KP, with a female literacy rate of three per cent, features some of the highest statistics of under-age marriages in the country. The pitiable state of affordable education in undeveloped regions simply inhibits any chance of social progress there and aggravates the urban-rural divide. Compared to this, Bangladesh has made remarkable progress in improving female literacy, the effects of which can be seen by the increasing prominence of women in their economic development.

Madrassahs and religious seminaries have their own set of issues that require inspection. Quite a number of seminaries

are not registered with the government and operate with no oversight. It's uncertain as to how many would actually embrace the curriculum. We also have to address the narrow world view and xenophobic tendencies that a few of these seminaries inculcate in their students. Simply teaching a few classes in English will have no benefit if they continue to indoctrinate their students to view Pakistani Christians, Hindus and Sikhs as 'disbelievers', instead of as fellow citizens that enjoy the same rights. Successful countries require egalitarian societies where citizens are not discriminated against on the basis of their religious beliefs.

Not all seminaries inculcate bigoted views, but the ones that do need to be reprimanded. Madrassahs that do adopt the new curriculum will require trained teachers. Simply handing seminaries a copy of the new curriculum wouldn't work and many would struggle in the absence of government support such as funding for science and computer labs or training programs for teachers

Finally, we have to address the problem of the 22.8 million children out of school, i.e. the nine per cent of urban children and 23 per cent of rural children who never get the chance to attend a single class. This indicates that 61 per cent of children in Sindh, 78 per cent of children in Balochistan and 65 per cent of children in KP are deprived of any shot at social mobility, resulting in severe inequalities between and across the various provinces of Pakistan. The result is a sense of injustice and animosity among the citizens who reside in these regions – sentiments that are often directed at the state itself. Moreover, there is the assumption that students enrolled in schools actually attend classes regularly. As many studies indicate, a significant number of students in government schools have their names in school registers but haven't attended classes for months. Dropout rates are also high, with many children from low income households leaving school after two or three years. Simply updating the curriculum standards or building additional schools will have little impact on these statistics. It is unrealistic to expect a child between the ages of 10 and 16 to enrol in Grade 1. When it comes to the aspiration of ensuring accessible education for these unfortunate individuals, the state has failed them. But this doesn't mean that we abandon them. A better solution would entail establishing technical training institutions that offer job market-oriented training programs. This would focus on preparing students for jobs related to technical careers, for example, electricians, plumbers, construction workers, carpenters, chefs, tailors or surveyors etc. The National Vocational and Technical Training Commission (NAVTTC) supervises several such institutes and assures quality standards through its 'Takamal Skill Verification Program'. Expanding this program and establishing more institutes by increasing government investment would improve prospects for children over the age of 10. Though the desire to implement uniform curriculum standards is a noble one, a comprehensive approach to the educational crises requires government investment in good quality school infrastructure. Not to mention an increase in the education budget. When government authorities do invest in school infrastructure, the results are laudable – improvements in education standards and enrolment rates in KP serve as an example.

Simultaneously, the government must pay significant attention to teacher training programs aimed at improving the scholastic proficiencies of teachers. This could be accomplished by partnering with the local industry, non-government organisations (NGOs) and international organisations such as UNICEF, USAID and the EU. This ought to be followed up by working with publishers to improve the quality of affordable textbooks accessible in the market. Attendance rates of both school teachers and students can be improved by adopting digital monitoring apps and technologies such as Sindh School Daily Monitoring System (SSDMS).

Private schools and charities can play a part by offering scholarships to students from underprivileged backgrounds in return for tax breaks. A comprehensive strategy would address the shortfalls of public schools and madrassahs by improving their quality and bringing them on par with private schools, not by dragging private schools down and vitiating them for some political point scoring about social equality.

Science And Philosophy In The Muslim World

Fatima Cheema

Science is a body of knowledge accumulated through human experimentation. Man, himself created scientific knowledge. When Newton was sitting under a tree and an apple fell off it, he became curious of the phenomenon of gravity. Thereafter he introduced the laws of motion to the world. The more humans explore universe the more secrets they encounter. It is a progressive and dynamic pursuit. Scientific knowledge continues to grow. Theory of relativity of Einstein is still being researched on today. Veracity of claims of science can be verified anywhere by anybody provided one is qualified and is equipped enough to do so. In other words, science is a human endeavor aimed at discovering nature. How natural creations came into being is still a big riddle. Man has been able to dig up mysteries of nature to some extent. He has his limitations. But he continues to move forward, and his contentions are unchangeable.

In Islam the direction of Qibla, timings of five daily prayers and fasting in the month of Ramadan as well as determining the months of Islamic lunar calendar all involve science. When the Islamic empire expanded Islam interacted with other religions and cultures which led to Muslims exploring different fields of science. The eastern Abbasid Caliphate has greater contribution in this regard. The academic article "Muslim Philosophy and the Sciences" shares that Abbasid Caliph al Mansur initiated translation of Sanskrit astronomical and medical texts. His successors Harun-al Rashid and al Mamun commissioned translation of Greek texts and established House of Wisdom or Baitul Hikma that became an international center of knowledge sharing. Thereafter many institutions, libraries, hospitals, observatories, and madrasas were created to encourage research in different fields of science. Caliph Al Mamun established Baghdad observatory for works on astronomy. In 13th century Maragha observatory and in 15th century observatory of Ulugh Beg were built.

Muslims also contributed to innovations in astronomical instruments like astrolabe and celestial globe. The first real hospital Bimaristan was built in Baghdad by Harun al Rashid. Many fundings to the hospitals were religiously motivated as Quran puts great emphasis on charitable activities. Moreover, useful improvements in technological arts such as hydraulic engineering and agricultural science were also made. Mathematical science was no exception with Al Khwarizmi's contributions.

Philosophy, being a thought process can dabble in anything. It may not find the end but could intellectually engage itself in issues of interest to man from times immemorial. How does philosophy tackle issues of religious significance is a moot point. How far does it go in resolving them through logic needs to be investigated. Religion and philosophy are also inseparable. Philosophy is an intellectually engaging process. The article mentions that three historical philosophical movements were witnessed in Islamic history i.e., Kalam, Falsafa and mystical philosophy. Abu Yaqub al Kindi also known as "Philosopher of the Arabs" was the first Islamic Hellenistic philosopher. Thereafter, followed many prominent philosophers like Al Farabi who was titled "The second Teacher", Al Razi whose philosophy was anti-Aristotelian and Ibn Sina who played a major role in the formation of mystical philosophy. In the latter, Illuminationist view or Ishraqi was introduced that also formed the basis of Shai view on Imamate. Notable personalities in mystical philosophy include Al Ghazali, Ibn Al Arabi and Shihab al-din al Suhrawardi.

In modern times, western civilizations claim the origins of philosophy and science. But premodern history of these fields and how they rose in the Muslim world put down these Western claims. It has been portrayed that Muslims have for long been in the "Dark Age" and it was only due to the western influence that they were able to familiarize themselves with science and philosophy. History shows that this is a fallacy. Additionally, Muslims also owe credit for the European Renaissance which rediscovered Greek learning. Renaissance was largely being conducted in Latin whereas the historical texts were in Greek language. This gap initiated an Arabo Latin Translation Movement in which Arabic translation of Greek work was then translated to Latin. Currently, no mass media brings forward these historical facts to the public. Instead Islamophobic content is being generated and Muslims characterized as ignorant, rigid, and violent.

History of the origins of science and philosophy must be investigated and should not be subjected to selectivity. Portrayal of history to public should be unbiased. International channels like BBC and CNN may contribute to this cause. Islamic scholars like Zakir Naik also point out how science is being used to prove things that Quran already mentions. This trend must be encouraged among the scholars who have large following and are therefore, influential in making public aware of these developments.

110,000 Vote In Canadian Khalistan Referendum, Demanding Shimla As Free Punjab's Capital

In an unprecedented show of power, more than 110,000 Canadian Sikhs took part in voting for the Khalistan Referendum in Brampton, Ontario, to demand an independent state of Khalistan with Shimla as its capital.

Organised by the pro-Khalistani advocacy group Sikhs For Justice (SFJ), the voting started with a special prayer led by the religious leader Bhai Daljit Singh Sekhon – a close associate of Bhai Harjinder Singh Parha in whose name the voting centre was dedicated. Thousands were returned unable to vote at the close of the day at 5PM while queues stretched to several kilometers at the end of the day.

The first vote was cast at 9am but thousands of Canadian Sikh had lined up since 7am to cast their votes. A large number of women and elderly stood in long queues to cast their vote in favour of Khalistan.

By noon, the queue had stretched to around five kilometers from the Gore Meadow Community Centre Brampton to the nearest highway. There was so much traffic pressure coming towards the voting centre that the Ontario police blocked the highway for all kinds of traffic, for three hours, to prevent more Sikhs from attempting to reach the venue in their cars.

By the afternoon, there was a sea of people around the centre carrying flags of Khalistan, chanting slogans demanding the creation of Khalistan, calling on India to end human rights violations of Sikhs and asking the international community to listen to the demands of millions of Sikhs in Indian Punjab and around the world. The observers confirmed that thousands had been returned at the close of the voting while queues still stretched to over two kilometres.

Organisers at the Sikhs for Justice as well local observers estimated the total number of participants to be comfortably over 110,000. Deann Allison, Canada's Member of Parliament for Niagra West for the Conservative party, said in a tweet at mid-day: "Amazing turnout at Gore Meadows community center in Brampton where the Sikh Nation is voting for their right to self-determination. Over 50,000 votes and lines are still growing."

The SFJ said attendance in Ontario for Khalistan voting had broken all previous records of voting in London, where over 30000 Sikhs had taken part; Italy, where the number was just below London; Geneva where the presence was under 10000 and UK's cities of Slough, Birmingham, Leicester and Manchester where the numbers were significant.

The SFJ welcomed the turnout in huge numbers. Its Counsel General Gurpatwant Singh Pannun said the Sikhs have shown in Canada that they will not accept anything less than an independent Khalistan with Shimla as capital of the free Punjab. "Today, Canadians voted in the independence referendum to reclaim Shimla as the capital once Punjab is liberated from the Indian occupation. The voting in Punjab for the Khalistan Referendum will start from January 26, 2023, coinciding with India's 74th Republic Day."

There were more than 300 Sikh volunteers manning the community centre reserved for voting. Most of those volunteering were Canadian born Sikh youth who have shown strong connection with the Khalistan movement, initiated by their parents who were most born and raised in India.

Canada is now home to around a million Sikhs who strongly associate themselves with the Khalistani movement – an issue that has troubled the Indian govt for many years and has caused diplomatic rifts between India and Canada.

Earlier, the Canadian government refused to stop the SFJ from oragniing the unofficial balloting for the Khalistan Referendum.

Canada's position on the Khalistan Referendum is backed by its own laws as well as the United Nations laws that all people have a right to self-determination and freedom of speech and expression in a peaceful manner.

Participants of the referendum, on the occasion, said that the Indian Punjab will soon emerge as an Independent country on the map of the world. They said that India cannot deprive Sikh people from their right to independence at gunpoint.

The Khalistan Referendum voting campaign is being organised under the supervision of the independent Punjab Referendum Commission (PRC) which will announce the results when all phases are completed.

Freelancing Is A Way To Beat Unemployment

Raana Kanwal

Unemployment is one of the most serious social problems in Pakistan. Whenever a problem develops in any society, there is always more than one cause. Certainly, there is more than one cause of unemployment. The main reasons for this are population inflation and lack of sources of employment. While other reasons include bribery and recommendation, lack of seriousness of students, defects in academic standards, focus on obtaining a single certificate instead of preparing students for the future at the university level, focus on single book knowledge instead of applied knowledge, etc. There are significant reasons.

As a result of the rising unemployment rate, students and young graduates often seem anxious and worried about their future and ask various questions about their future. I usually give students two pieces of advice.

1) Students should read the blog they are reading not just for the sake of reading or just to memorize but to understand the blog and read it in the context of its practical application. In our country, theoretical subjects are considered unnecessary or insignificant and this misunderstanding is found even among the teachers themselves. The theory is actually a summary of the practical experiences and research of others, which tells us what the subject is, how this knowledge originated, what its purpose is, and how this knowledge can be put into practical use and application. Therefore, students should read these blogs in this context and gain an understanding.

2) Students should learn some skills along with teaching knowledge and then start working for themselves.

In Pakistan, summer in the plains and hot areas and winter in the cold and mountainous areas usually have two and a half to three months of vacation. Most students usually graduate during this time, so this time can be spent on learning these skills.

There are various ways to learn these skills. Usually, during these holidays different universities and private institutes offer different types of courses, so these skills can be learned from these resources. Another alternative is that different institutions also offer different courses online, so you can learn from home. If a student does not have the financial means, then there is an abundance of material on almost all subjects on the Internet (YouTube) at this age, and one can also learn from there. One practical piece of advice for those who learn from YouTube is to complete at least two different video series (sequential videos on a single course covering all topics from beginning to end) whenever they learn from YouTube.

The next important question is which skills to learn? In my opinion, the appropriate situation is that every student should learn the same skill which is in accordance with his education or degree. In addition, I generally recommend students learn WordPress or graphic design. The 21st century is a digital age, in which their demand and use are relatively higher than other things secondly these two courses do not even require prior computer knowledge. Therefore, it is easy for students to learn them. Other skills like content writing or logo designing can also be learned.

Once students have completed a course and are convinced that they have learned, start freelancing from any freelancing platform, etc.

In addition to freelancing, projects can also be done with your relatives or acquaintances.

The best way to start this project is to start with two or three friends working on a project together. Because no matter how strong one's inner belief may be, man learns and attains mastery only through practical work.

These tips can be applied not only to young people who are studying in universities but also to those who are unemployed or have a menial jobs. Such individuals may set aside some time for this on a daily basis after their working hours, but students may also set aside some time for this learning process in addition to the winter and summer vacations.

The practical benefit for the students will be that they will continue to learn the skills along with the education and thus after completing the education they will also have practical experience with the certificate. This experience will not only help them in getting a job but if they want to continue their own work they can easily and in a short time increase it further but also provide employment to other people.

Another day, another woman

Another day to realise how little women have here: little freedom, little support, little respect, little safety

Sheema Mehkar

Another day, another woman makes it to the headlines. Another woman is robbed of her right to live, another woman is brutally killed by one of her own, another woman makes it to the long list of women who have been wronged, abused, murdered by troubled and problematic men, another woman – so full of light and hope – faded into darkness just like the countless women before her did.

Another day to discover new forms and shapes of victim-blaming, another day a woman's decision about her life is questioned, another day her character is impugned, another day of finding the reasons of her murder, to find all the "whys" so the murder could somehow be justified, to look for the "other side of the story" so the murderer could be painted as less evil, so that some part of his sin could be transferred to the victim. Another day to find all the means to blame a woman, another day to see all the fingers pointing towards a woman just like a compass needle that always points towards the north. Another day to realise that this country, this society is rife with misogyny; that it probably hates women – all women, dead or alive.

Another day to acknowledge the fact that it's never the woman they rape, it's never the woman they harass and assault, it's never the woman they kill; it's always the rapist, it's always the harasser, it's always the murderer. It's never the women, it's always the men, the problem doesn't lie with women, it lies with men. Another day we will refuse to accept this reality, another day we will continue keeping our head buried deep in the sand.

Another day we will turn our faces away instead of looking at the fact that these problematic men are our sons who went astray while we were busy moral-policing our daughters, body-shaming them, squeezing and moulding them to fit them into society's standardised box of a "good woman", brainwashing them into tolerating abuse, conditioning them into enduring torture in the name of sacrifice, pressurising them to compromise in abusive relationships, and teaching them about all the checklists they need to memorise to live in this society, to appease men and to evade their wrongdoings.

We got so lost in raising our daughters right that we forgot to focus on correcting the conduct of our sons. We failed to protect them from becoming monsters that would eat up our daughters. We gave our sons nothing, no morals, no values; instead, we fed them with a sense of superiority, a sense of impunity and a sense of dominance. We handicapped their ability to see women as human beings who have equal rights to live a life of their choosing and thrive – just like men.

Another day to recall all the murderers that are still alive, all the harassers and abusers living a life of a free man while the victims either lay six feet deep in the ground or continue to live in agony seeing their offenders living a happy life. Another day to realise the gravity and magnitude of the system that is rigged against women. The choking rooms of police stations, the suffocating walls of courtrooms that make her right to seek justice a burden – a long, lonely, gruelling battle where her privacy is torn apart, her clothing is questioned, her mental health is doubted, crass jokes are passed on her, vile accusations are made against her, her right to justice is made to look like an unlawful act and her raising a voice for herself is regarded as a matter of shame.

Another day to realise how little women have in this country: little freedom, little support, little respect, little safety, and even little protection from the state. Another day to protest the freedom predators, harassers, rapists and murderers enjoy; for them, there is no fear of shame, no fear of repercussions and no fear of accountability. Another day for women to be reminded of all the precautionary measures they must take to survive a day safely: where to go, when to go, whom to go with, what to do while travelling alone, what to wear, how to sit, how to behave, the list is endless. Another day to be angry knowing that no such precautionary measures exist for men, no religious sermons, no civic parameters of appropriate behaviour for them; no set of rules, no law, and no deterrence either. Another day to remind women that they are on their own; alone, abandoned, unsafe, unsupported.

Another day to know that no matter how much we protest or scream, nothing will change and every tear we shed is futile. Yesterday it was Noor, today it is Sarah, tomorrow it will be someone else. This society will continue oppressing its women and gas-lighting them for their oppression, consequently, empowering its men to perpetuate their evil acts. Another day to mourn and weep and damp our pillows embracing our helplessness in this god-forsaken country and sleep. Until, another day, when another monster we created in our homes will eat up another woman.

Reviewing the Transgender Persons Act is not about religion, but about politics

Beenish Fatima

Rehashing this debate after four years is nothing more than a political stratagem using the religion card

The Transgender Persons (Protection of Rights) Act, passed in 2018 for the purpose of providing fundamental human rights to the Khwajasira (transgender) community of Pakistan, has recently sparked a new debate in the country. Four years after the bill's passing in the parliament, right-wing political parties have come forward to condemn the bill as they believe that the bill promotes "homosexuality" and "anyone can get his/her sex changed", which might lead to "new social problems".

A large number of people started supporting this agenda on social media as a result of disinformation being spread by the religio-political parties. This piece is aimed to analyse those clauses of the Transgender Persons Act that are being twisted to present a certain false narrative, the way transgender persons see this debate, and what can be the impact of this incitement of hatred against transgender individuals.

The bill starts with the definition of a transgender person as:
(a) intersex with mixture of male and female genital features,
(b) eunuch who is assigned male at birth but later undergoes surgery,
(c) a transgender person whose gender identity differs from the social expectations of the gender they were assigned at birth.

The second chapter of the bill talks about the recognition of the identity of transgender persons by maintaining that these individuals can get themselves identified on the basis of "self-perceived identity" under the provisions of this bill. In other words, any person who falls under the category of any of

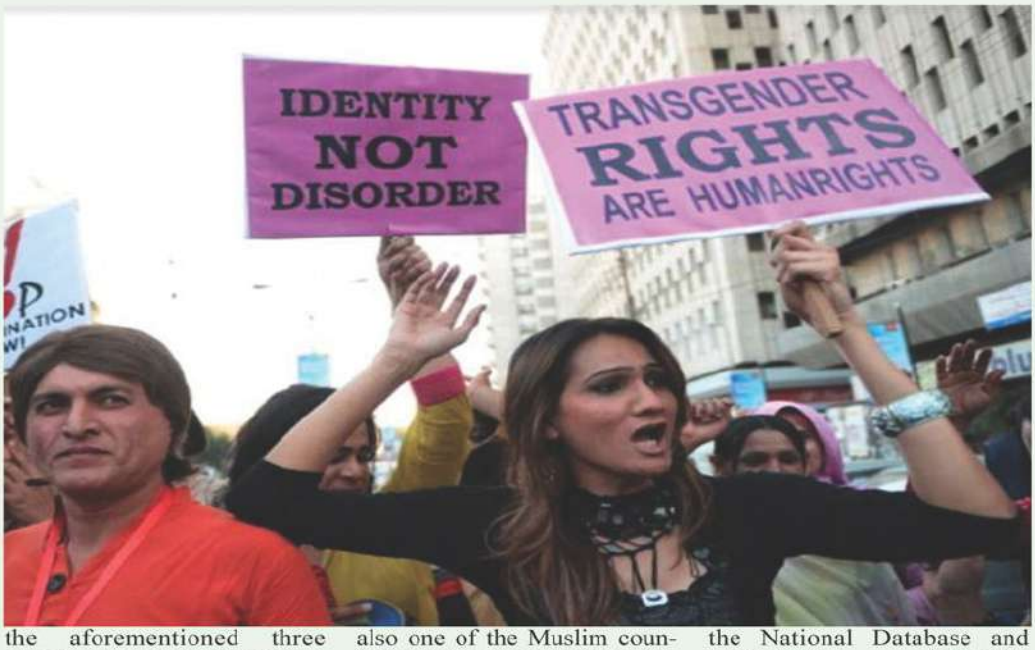

the aforementioned three clauses can get registered as a transgender. In the Computerized National Identity Card (CNIC), there are three options provided for gender: 'M' for males, 'F' for females, and after the Transgender Persons Act 2018, transgender individuals can register as 'X'.

The remaining chapters of the bill discuss the prohibition of discrimination against trans people, government's obligations towards this community, and the protection of rights of this gender group.

Now, right-wing parties have misinterpreted the definition of "transgender" mentioned in the bill to further their political agendas under the pretext of homosexuality. If we probe into the relationship among gender identity, gender expression and gender assigned at birth, Iran is one of the Muslim countries that can be taken as an example to understand the situation from an Islamic perspective. In Iran, homosexuality is a punishable crime, where punishment ranges from receiving lashings to death sentences. However, Iran is also one of the Muslim countries which gives its trans citizens the right to have their gender identity acknowledged and recognised by law. Since the Islamic Revolution in Iran, a fatwa was passed to declare hormone-replacement therapy and gender-confirmation surgery as religiously acceptable procedures.

Pakistan's law minister, Azam Nazeer Tarar, mentioned in a press conference that the bill was passed in 2018 after seeking approval from the Islamic Ideology Council of Pakistan as well as the religious leadership in the parliament. Rehashing this debate, four years after the bill was passed, is nothing more than a political stratagem using the religion card.

To discuss the delicacy of this matter, I spoke to a transgender medical student in Karachi, Masooma, who said:

There is also a debate going on among the religious vendettas about the medical examination of transgender people before issuing them their CNICs.

Sharing her views on the issue, Masooma stated

To invigorate this argument, the National Database and Registration Authority (NADRA) does not have a record of even a single registration where a man masqueraded himself to be a woman on his CNIC and vice versa since the passing of this bill in 2018. This fact alone contradicts the narrative being put forward by the religious political parties.

Other activists also maintain that no provision is available in the laws or Islamic jurisprudence in Pakistan regarding the marriage of transgender people.Hence, creating an issue out of a non-existent aspect is totally baseless and is only being done to bag votes in the upcoming elections next year. The transgender community is putting in their maximum effort to let their voices be heard but a large part of the population tends to believe in the concocted religious descriptions without investigating the true nature of the issue. Ultimately, this is resulting in an increase in violence and hatred against the transgender community, who are already a marginalised segment of our

Diyat law: The saviour of the affluent

The acquittal of Shahrukh Jatoi is indicative of the fact that justice is not served but bought.

Ureeda Khan

Shahrukh Jatoi, the main accused in the Shahzeb Khan murder case, has been acquitted by the apex court, along with the other convicts. This major development in the high profile case has been condemned and criticised all over social media.

Khan, a 20-year-old youngster, was shot dead on the night of December 24th, 2012, after he demanded an apology from the accused, whose employee had harassed Khan's sister. Despite the matter being settled, the accused chased the victim and gunned him down in cold blood. The matter was brought to light after which the accused, the son of an affluent landlord in Sindh, was arrested due to immense pressure from the public. However, in 2013, death penalty was awarded to Jatoi, and his friend Siraj Talpur, by the anti-terrorism court, while the other convicts were awarded with life-time imprisonment. The parents of the deceased, however, pardoned the convicts accused of murdering their only son, but due to the terrorism charges against the accused, the capital punishment had been upheld despite the pardon.

The accused, however, were released on bail by the sessions court which had sparked anger and insecurity amongst the civil society. The sessions court's order was challenged by the civil society and activists which led to a suo moto of the petition by the Supreme Court and eventually the order of bail was nullified. However, the death sentence was commuted to life imprisonment in 2019.

Ten years later, eventually the Supreme Court has set all the convicts free after the convicts approached the SC for the acquittal on the basis of pardon granted by the family of the deceased.

This murder case was a test case for the judiciary and the state to see whether those who are influential in this country can be brought to justice for the crimes they commit or can they get away with anything they do, unscathed. Unfortunately, the latter reflects the bitter reality of a country where the Diyat law comes as a saviour of the affluent. The provision of Diyat law – also termed as "blood money" and was introduced in Pakistan's legal system about 32 years ago, on the order of the Shariat Appellate Bench of the Supreme Court of Pakistan. The law allows the heirs or family of the victim to forgive the murderer either after receiving blood money as compensation under section 310 of Pakistan Penal Code (PPC) or without any compensation, in the name of God, under section 309.

The justice system of the state is largely undermined when power is granted to the heirs to pardon the murderers. This law presents a lacuna in our legal system which has time and again been manipulated by the powerful to get away with a crime as heinous as a murder.

Raymond Davis, an American national, was acquitted despite being charged with the murder of two Pakistanis, after reaching an agreement with the families of the victims. The brother of the feminist activist and social media model Qandeel Baloch, was also acquitted of the charge after the parents of the victim pardoned their son for murdering his own sister in the name of honour. Earlier this year, the accused in the Nazim Jokhio murder case, including the Pakistan Peoples Party (PPP) MPA Jam Awais and MNA Jam Karim, were pardoned by the widow of the victim who asserted that "justice can't be served in Pakistan" and left the matter in hands of God.

The acquittal of Jatoi, in the same vein, is indicative of the fact that justice is not served but bought; bought by those who have power, money, and influence.

The Diyat law undermines the criminal law which deals with the violation of rights of the public and holds the state responsible for penalising the perpetrators. The acquittal of Jatoi and other convicts not only reflects the failure of our justice system but also of the state's writ. In order to maintain order in the society, it is essential for the state to punish the one who takes away the right to life of another human. Murder is not a crime against an individual but the public at large – as it leaves the society insecure and vulnerable. It's a crime against the state – the entity created in the first place to provide security to the individuals.

Jatoi's acquittal has left the majority in a state of fear – the fear of being a few bullets away from being killed at the hands of an affluent who would then conveniently coerce the family into granting a pardon, in return of a compensation, or in the name of God, and would escape the charge, roam freely, and make a victory sign – as he should since victorious is the one who has the power to turn circumstances in his favour.

However, in the latest development, the state has decided to file a review petition against the acquittal of Jatoi. The petition by the Attorney-General for Pakistan (AGP) on behest of the state has sought the review of the verdict keeping in view the components of compromise and mischief. The review petition is a significant move made by the state as it's the responsibility and the foundational purpose of the state to enable its citizens to feel secure and penalise the offender who infringed upon the rights of individuals.

Nevertheless, the onus falls upon the state to amend the Diyat law thus preventing the powerful from manipulating it to get off scot-free and ensure the penalty of anyone who commits a murder, irrespective of their social status. Murder needs to be dealt as a test of state's writ. If not, the state will become anarchic, which would lead to a state of nature, leaving all individuals insecure and susceptible to meeting the same fate as Qandeel, Nazim or Shahzeb.

Has Mahsa Amini sparked a revolution in Iran?

Mandating the removal of the hijab is as problematic as making it mandatory to wear it, and it needs to be condemned.

The death of the 22-year-old Iranian woman, Mahsa Amini, after being in the custody of the 'morality police', allegedly for not wearing the hijab "properly", has led to an eruption of protests across Iran against the current regime. Videos are making rounds on social media where a large number of people are taking over the streets, while women being at the forefronts are burning their hijabs and chopping off their hair publicly in protest.

Although this is not the first time a woman has been beaten up for not covering her head, the rage displayed this time sparked by the death of Amini has led to a public reaction, one that is unprecedented in magnitude.

The protestors have met with brutality of the state as the police have been trying to disperse the crowd through releasing tear gas, baton charge, and direct firing which has led to several casualties, while the state outright denied carrying out any of these actions. Despite the state's brutal response, the protests have only grown in number. The protestors are defying the riot police in the face of death and standing firm. Intense anger is being exhibited against the regime as Iran is abuzz with chants like "death to the dictator" and "justice, liberty, no to mandatory hijab". The demonstration against the hijab law and autocratic rule of the Iranian regime have extended from the capital and western Iran to all across the country.

The narrative being promoted by the western and Indian media about these protests being "anti-hijab" is misleading and uninformed since the protests are not against the hijab itself but against the forced obligation to wear it, which is an invasion of the freedom of citizens to exercise their will.

The large-scale protests in Iran depict the frustration of the public ripening over the years due to the autocratic policies of the regime. Ironically, the authoritarian government in Iran had also been brought into power first through a bloody Iranian revolution in 1979. The current demonstrations are also of the essence for a revolution to get rid of the regime or at least the draconian laws which reek of authoritarianism and dictatorship. The defiance of Iranians is indicative of their urge to protect their freedom, liberty and enforcement of their rights at every cost.

Earlier this year, a row over hijab was also witnessed in India after the Karnataka high court upheld the ban on hijab in colleges, a verdict which has been challenged in the supreme court. The right wing's support for the hijab ban also clamp downs on an individual's freedom of choice.

Be it Iran or India, forcing women to wear hijab or forcefully asking them to remove it ultimately becomes an issue of freedom of exercising personal choice, which is evidently taken away due to the state's interference and intervention in these cases. Mandating the removal of the hijab is as problematic as making it mandatory to wear it, and it needs to be condemned. Yet, the protests in Iran cannot only be viewed solely in terms of pertaining to hijab; rather, they should widely be seen as the public's resistance to the authoritarian laws and brutal treatment of the citizens.

The people of Iran have stood up against the regime and aim to overturn it to restore their liberty. The state is using its power to suppress the protestors which is only aggravating the situation by further enraging the citizens. Even if the protests fail to achieve a substantial end, the setback it has and will cause for the regime and the religious clergy would remain significant. The protests also suggest the loosening of the state's grip over its citizens. Therefore, in the days to come, it will be important to see how far these protests will go as with every passing day, the momentum and strength continues to swell. The Iranian protests may or may not end in a revolution but can definitely be a step towards it.